ماہنامہ

انوارِ مدینہ

لاہور

بلغ العلیٰ بکمالہٖ

کشف الدجیٰ بجمالہٖ

حسنت جمیع خصالہٖ

صلوا علیہ وآلہٖ

فضل

نگران اعلیٰ

حضرۃ مولانا سید حامد میاں مدظلہ مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُدیر اعزازی
پروفیسر یوسف سلیم چشتی

مدیر مُعاوِن
حبیب الرحمٰن اشرف

جلد : ۳
شمارہ : ۹

صفر ۱۳۹۳ھ ○ مارچ ۱۹۷۳ء

مُرتّب
حبیب الرحمٰن اشرف

جامعہ مدنیہ ○ کریم پارک ○ راوی روڈ ○ لاہور

محتویات

★

اداریہ		۳
گلستانِ حبیبتان	حضرت علامہ شمس الحق افغانی	۵
نعت النبیؐ	حضرت مولانا عبدالمنان دہلوی	۱۱
حفاظ و محافظین قرآن	حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی	۱۵
نظم	حضرت مولانا آزاد فتحپوری	۲۸
سرمایہ ختم کیا جائے یا بخل؟	حضرت علامہ سید محمد میاں	۲۹
حُسن ادب	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی	۴۲
پیر سید خورشید احمد	محترم محمد عثمان انوری	۴۵
خود شناسی	حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی	۴۸
مولانا محمد اجمل	حضرت مولانا قاری فیوض الرحمٰن	۵۳

کتابت: محمد سرور

بدل اشتراک: سالانہ سات روپے — طلبہ کیلئے پانچ روپے — فی پرچہ ۶۵ پیسے

سید حامد میاں مہتمم جامعہ مدنیہ طابع و ناشر نے مکتبہ جدید پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ انوارِ مدینہ، جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الدِّینُ النَّصِیحَۃُ

صدرِ محترم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے پشاور کے ہوائی اڈے پر ۴ مارچ کو خطاب فرمایا، ہم نے یہ تقریر ریڈیو پر سنی، ۴ مارچ کے جسارت میں اس کا مکمل متن دیکھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

"نیپ کا مجیب کے ساتھ گٹھ جوڑ تھا۔ مجیب قانونی طریقہ سے وزیرِ اعظم بن کر پاکستان کو ختم کرنا چاہتا تھا اور یہاں ان کی مدد کرنا چاہتا تھا، میں نے مجیب سے ڈھاکہ میں کہا تھا کہ میں آپ کا منصوبہ سمجھ گیا ہوں، آپ قانونی طریقہ سے پاکستان کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

صدر نے کہا کہ اگر مجیب وزیر اعظم بن جاتا، تو وہ تینوں فوجوں کے کمانڈروں کو ڈھاکہ بلاتے، پھر فوج کو مشرقی پاکستان سے نکلواتے۔ پھر سارا غیر ملکی زرِ مبادلہ اسٹیٹ بینک اور تمام سرکاری ریکارڈ ڈھاکہ منگواتے اور اس کے بعد السلام علیکم کہتے۔"

جسارت ص ۱ کالم ۱، ۲ - ۴ مارچ ۷۳ء

ہماری گذارش ہے کہ اس طرح کے ارشادات پر غور کیا جائے کہ اس سے کس کو فائدہ پہنچے گا۔ اگرچہ یہ جناب نے معترضین کے جواب میں ہی ارشاد فرمایا ہے، لیکن مخالفین کا اعتراض بھی یہی ہے۔

---

۴ مارچ کے امروز میں صفحہ اوّل پر جناب کوثر نیازی وزیرِ اطلاعات و نشریات و حج و اوقاف کا بیان نشر ہوا ہے جس میں انہوں نے اپنے حالیہ دورۂ چین کے تاثرات بیان فرمائے ہیں۔ اس کے ذیل میں انہوں نے فرمایا ہے:"

مولانا نے کہا کہ آرٹ اور کلچر میں قوم کے کردار کی عکاسی ہوتی ہے۔ عظیم قومیں لوگوں کو جگانے کے لئے آرٹ سے تازیانہ کا کام لیتی ہیں، لیکن مُردہ قومیں اپنے آرٹ، موسیقی اور رقص کو معصوم لوگوں کو گہری نیند سلانے کے لئے افیون کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔"

ہماری گذارش ہے کہ اسوقت زمام اقتدار آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں، جو آپ چاہیں گے صرف وہی ہوگا۔ اس لئے اس پر کسی بھی تاسف کے اظہار کے بغیر فوری اصلاح کرنی چاہیئے۔ یہی آرٹسٹ اصلاحی کارنامے بھی تشکیل کر سکتے ہیں۔ انہیں اپنی کمائی درکار ہے۔ اگر جناب کا حکم ہوگیا تو یہ فوراً بدل جائیں گے اور یقیناً بہت بڑا اصلاحی کام شروع ہوجائے گا۔ جو آپ کے اس عہدِ حکومت کی رہنے والی یادگار بن سکے گا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خُدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

جذبۂ جہاد سے سرشار آزاد کشمیر کے دو کمسن بچّوں نے اپنے جنگی قیدیوں کی رہائی کی ایک کوشش میں اپنی معصوم جانیں قربان کر دیں۔

یہ سادہ لوح حقیقی اسلحہ سے نہتے ہی اس خطرناک مشن پر چل کھڑے ہُوئے جہاں موت قریب اور زندگی دُور ہوتی ہے۔ ان کا یہ اقدام ایک طرف خفتہ اذہان کے لئے تازیانہ ہے۔ دوسری طرف کچھ قوم کے شعوری ارتقاء کا بھی پتہ دیتا ہے، خداوند کریم انکو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

کلمٰتِ حبیبنا

(۴)

شیخ التفسیر مولانا شمس الحق افغانی ادام اللہ معالیہم

اب وازن کون ہوگا؟ یہ تول کون کرے گا؟ ایک قول تو یہ ہے کہ خدا کرے گا۔ وازن اللہ ہوگا۔ اور ظاہرِ قرآن یہی ہے۔ ونضع الموازین القسط (تول ہم کریں گے) میں اللہ نے وضع میزان کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ تو تولنے والا خدا ہے۔ منڈی کے تولنے والے تو اور لوگ ہوتے ہیں، ہمارے اعمال کے لئے کتنا انتظام ہے، تول خود خدا کرے گا۔ قولِ اول تو یہ ہے۔

قولِ دوم یہ ہے کہ ملک الموت وزنِ اعمال کرے گا۔ ملک الموت ایک فرشتے کا نام نہیں ہے "سٹاف" کا نام ہے۔ یعنی ان فرشتوں کا گروہ جن کے ایک امیر ہیں حضرت عزرائیل علیہ السلام اور ان کے ماتحت عملہ ہوتا ہے۔ تو مختلف لوگوں کی ارواح قبض کرنے کے لئے ان کے ماتحت عملہ ہے۔ کوئی کسی کی روح کو قبض کرتا ہے کوئی کسی کی روح کو۔ بیہقی نے انس ابنِ مالک رضؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ اخرجہ البیہقی فی سننہ الکبریٰ عن انسٍ مرفوعاً ان ملک الموت یزن اعمال بنی آدم۔

قولِ سوم یہ ہے کہ وزنِ اعمال آدم علیہ السلام کریں گے۔ اور یہ بیان کیا ہے طبرانی نے معجم صغیر میں ابو ہریرہؓ سے۔ الفاظِ حدیث یہ ہیں۔ یا ادم قد جعلتک حکما بینی وبین ذریتک قم عند المیزان۔ میں نے تم کو کر دیا ہے وکیلاً بینی وبین ذریتک، وکیل اپنے اور تمہاری اولاد کے درمیان قم عند المیزان۔ میزان کے پاس کھڑے ہوجاؤ۔ تو آدم علیہ

السلام تول کرائیں گے ۔ یہ تو طبرانی نے معجمِ صغیر میں نقل کیا ہے ابوہریرہ رضؓ سے ۔
چوتھا قول یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام وزنِ اعمال کریں گے ۔ یہ ابوالقاسم لالکائی نے کتاب السنہ میں اور ابن مبارک نے کتاب الزہد میں نقل کیا ہے ۔ اس طرح یہ چار اقوال ہو گئے ۔
ہم شاہ ولی اللہؒ کی طرح ان چاروں کو تطبیق دیتے ہیں کہ سب اقوال ٹھیک ہیں ۔ کس طرح ؟ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کو وازن اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ وہ حاکمِ اعلیٰ ہے ۔ آرڈر وہ دیں گے کہ کرو ۔ آمریت کے لحاظ سے وہ ہے اور آدم علیہ السلام کی موجودگی اس لئے ضروری ہے کہ ان کے بیٹوں کا کیس چل رہا ہے ، بعضوں کو پھانسی کی سزا ہوگی (دوزخ میں جائیں گے) بعضوں کو گویا جنت کا تخت ملے گا بیٹے کا مقدمہ ہو اور باپ موجود نہ ہو ؟ باپ کی موجودگی ضروری ہے ، تو آدم علیہ السلام بحیثیت سرپرست کے موجود ہوں گے اور اس لحاظ سے انہیں وازن کہا گیا ۔
ملک الموت اس حیثیت سے کہ ملک الموت کا کام دنیا سے روحوں کا چالان عالمِ برزخ کی طرف کرنا ہے تو ہر کیس میں قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ پولیس کی شہادت ضروری ہوتی ہے تو ملک الموت آخرت کی پولیس ہے ، تو وزنِ اعمال کے وقت ان کی حاضری بھی ضروری ہے ۔
تو ملک الموت بھی ٹھیک ، آدم علیہ السلام بھی ٹھیک ، خدا وازن ہے یہ بھی ٹھیک ، اور جبریلؑ اس لئے کہ کیس کی نوعیت یہ ہے کہ قانونِ الٰہی پر عمل ہوا یا نہیں ، قانون لانے والا بھی چاہیے کہ موجود ہو ، انسان تو خدا کو نہیں دیکھتے ، لہٰذا جو خدا سے قانون لایا ہے وہ اس طرح موجود ہوگا جس طرح سرکاری وکیل کی موجودگی آج ضروری ہوتی ہے تو جبریل علیہ السلام سرکاری وکیل ہیں ۔ وکالت کریں گے کہ صاحب ! مَیں لایا ہوں قانون ۔ گویا ایڈووکیٹ جنرل ہوئے ۔ واللہ سبحانہٗ اعلم ۔
اب یہ بات رہ گئی کہ کیفیۃ الوزن کیا ہوگی ۔ ہلکا اور بوجھل ہونا کیسے معلوم ہوگا ؟
میری نظر میں کتب بینی کے بعد صرف تین قول ہیں ۔
قولِ اوّل ، قول الجمہور ہے کہ راجح و مرجوح کا پتہ طریقۂ عامّہ کے مطابق لگے گا ۔ جیسے یہاں منڈیوں میں ۔ کہ جو پلہ آسمان کے قریب ہو وہ ہلکا ہے اور جو زمین کے قریب ہو وہ بھاری ہے ۔ قیامت کی میزان میں جو پلڑا اوپر جائے گا وہ ہلکا اور جو نیچے جائیگا وہ بھاری ہوگا ۔
قولِ دوم بدرالدین زرکشی کا ہے ۔ "البرھان فی علوم القرآن" میں ۔ اور یہ قول شاہ عبدالعزیز

کا تفسیر فتح العزیز میں سورۃ القارعہ کی تفسیر کے اندر مختار بھی ہے کہ بالعکس ہوگا۔ ترازو میں جب اعمال ڈالے جائینگے تو جو پلڑا آسمان کی طرف ہوگا وہ بوجھل ہوگا، جو زمین کی طرف ہوگا وہ ہلکا ہوگا۔ لتبدل الاحیاز، کیونکہ چیز بدلا ہوا ہوگا، اب تو اثقال مائل بالطبع ہیں مرکز کو۔ مرکزِ عالم وہ وسطانی نقطہ ہے جو کہ کرّۂ ارضی کے بیچ میں ہے، جو اس کے قُرب کی طرف رُخ کرے تو وہ بوجھل ہوگا، اور دوسرا اس کے برعکس ہوگا۔

اور اُس عالم میں جو سلسلہ ہوگا، تو چیز فوق کو ہو جائے گا۔ تو جو فوق کو زور کرے گا تو وہ بوجھل ہوگا اور جو نیچے کی طرف زور کرے گا، تو وہ اس مرکز کی طرف نہیں جائے گا وہ ہلکا ہوگا۔

اور تیسری رائے علامہ محمود آلوسی بغدادی کی ہے جو انہوں نے اپنی تفسیر سورۂ اعراف میں نقل کی ہے، کہ وزن ان (مذکورہ) طریقوں سے نہ ہوگا، بلکہ دونوں پلڑوں میں نیکیاں اور بدیاں ڈالی جائیں گی، حسنات نورانی ہیں اور سیئات ظلمانی ہیں، اگر حسنات کے پلڑے سے عمود نورانیہ نکلیں گے تو معلوم ہوگا کہ حسنات کا پلہ بھاری ہے، اگر عمود ظلمانیہ یعنی تاریکی کے ستون یعنی شعاعیں (سیئات کے پلڑے سے) نکلیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ پلڑا بھاری ہے۔

ہمارے نزدیک یہ ہے کہ تینوں طریقے جمع ہوں گے۔ ہم گویا تطبیق بین المختلفات کرتے ہیں۔ ہر انسان کے اعمال کا وزن تینوں طریقے سے ہوگا۔ کیوں؟ پہلا طریقہ تو اسلیے ہوگا کہ انسان چونکہ اس طریقہ کا عادی ہے اور اس کیلئے جنت و دوزخ کا فیصلہ ہونا ہے تو خدا ایسا طریقہ اختیار نہیں کرے گا جس کو انسان سمجھے ہی نہیں اور کہے کہ اللہ یہ تُو نے کیسے کیا ہم تو ہمیشہ تولتے تھے تو نیچے والے کو بوجھل سمجھتے تھے اوپر والے کو ہلکا۔ تُو نے تو اُلٹا معاملہ کیا۔

اس لئے یہ طریقہ بھی استعمال ہوگا۔ پھر اس کے بعد دوسرا سلسلہ رہے گا، کیونکہ انسان کے اندر دو قوتیں ہیں۔ ایک قوتِ روحانی۔ اور ایک قوتِ مادّی۔ روح کا مقام ہے حول العرش (عرش کے گرداگرد) بلکہ بعضوں نے فوق العرش لکھا ہے، صوفیائے کرام نے قل الروح من امر ربی سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ عالم امر کا مقام عرش سے اوپر ہے اور جسم کا مقام زمین ہے، یہی وجہ ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو روح اوپر چلی جاتی ہے اور بدن کو قبر میں دفن کر دیتے ہیں۔ اب جو آدمی گناہ کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس نے جسمانی کام کیا۔ جسمانی، مادی، حیوانی تقاضوں کو

مویشیوں اور درندوں کے تقاضوں کو پورا کیا اور جس آدمی نے نیکی کی اُس نے فرشتوں کے، انبیاء کرام کے اور خدا کے تقاضوں کو پُورا کیا۔ اوپر نیچے جانے کے بعد یہ فیصلہ ہوجائے گا کہ کس نے کونسا تقاضا پورا کیا ہے اور وہ تبدیلیٔ احیاز سے ہوگا کہ نیکیوں کا حیز اوپر ہے گناہوں کا نیچے ہے جو اوپر پلہ جائیگا تو معلوم ہوگا کہ اس کی نیکیاں زیادہ تھیں اسی لئے تو اس کے پلّے نے اپنے اقتضاء کے مطابق اوپر کی طرف زور کیا اور جس کا پلہ جسمانیات اور مادیات سے بھرا ہوگا وہ نیچے جُھکے گا۔ تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے یہ خرابی کی ہے۔ تو یہ طریقہ بھی استعمال کیا جائے گا۔

تیسرا طریقہ عمودِ روحانیہ اور ظلمانیہ کا اس اعتبار سے ہوں گے کہ انسان جو عمل کرتا وہ سارے بدن میں سرایت کرتا ہے۔ گناہ کی ظلمت بھی تمام اعضاء میں پھیلتی ہے اور نیکی کی نورانیت بھی سارے اعضاء میں پھیلتی ہے۔ تو باقی رہا یہ کہ اس نے ظلمانی اعمال زیادہ کئے ہیں یا نورانی، اگر عمودِ نورانیہ نکلے تو نورانی زیادہ کئے۔ ظلمانی نکلے تو ظلمانی زیادہ کئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

راجح و مرجوح کے یہ تین اقوال ہوگئے، اور ان میں تطبیق بھی دیدی گئی۔ اب رہا کہ مقام کونسا ہوگا۔ کس مقام پر وزنِ اعمال ہوگا۔ یہ حکیم ترمذی کی نوادر الاصول میں مذکور ہے۔ وہ یہ ہے کہ عرش کی دائیں جانب جنت کے بالمقابل حسنات کا پلہ ہوگا اور دوزخ کے بالمقابل سیئات کا پلہ ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ عرش کے پاس میزانِ اعمال رکھی جائے گی اور تول ہوگا۔ جو انسان اس دنیا میں مست تھا اور یہ معلوم نہ تھا کہ میں کہاں جانے والا ہوں اور آگے کیا کیا سلسلے آنے والے ہیں وہ بدحواس ہوگا۔ اور یہ ایک ایسا خطرناک موقع ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو۔ کہ اس موقع پر آدمی کو جان کا ہوش باقی نہیں رہے گا، کیونکہ ابدی فیصلہ انسان کی قسمت کا ہونے والا ہے۔

اس کے بعد ذکر کے اعتبار سے سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔ بڑی چیز ہے۔ اس کی فضیلت کے سلسلہ میں امام رازی کی کبیر سے صرف ایک حوالہ نقل کرتا ہوں، حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تخت ہوا پر اڑتا تھا، یہ معجزہ ہے۔ امریکہ اور انگریزوں کا جہاز اڑتا ہے یہ معجزہ نہیں۔ مَیں جائے نماز پر بیٹھا ہوں، اگر یہ جائے نماز ایک گز اڑ جائے تو یہ کرامت ہوگی۔ اور مشین کے ذریعے ہوائی جہاز کروڑوں میل اڑ جائے، یہ کچھ بھی نہیں، کیوں؟ جو مشین بنائے گا وہ ایسا کرلے

گا، لیکن جائے نماز کے ساتھ تو کوئی مشین لگی ہوئی نہیں ہے۔ تو سلیمان علیہ السلام کے تخت میں نہ کوئلہ خرچ ہوتا تھا نہ پٹرول خرچ ہوتا تھا، نہ مشین لگی ہوئی تھی۔ محض ارادۂ الٰہی تھا۔ جو کام محض ارادۂ الٰہی سے ہو۔ وہ نبی کرے تو معجزہ اور ولی کرے تو کرامت ہے اور جہاں مشینری کام آئی، وہ کاریگری ہے۔ وہ نہ کرامت ہے نہ معجزہ، وہ ایک کافر بھی کر سکتا ہے۔ ہر آدمی کر سکتا ہے۔

تو تاریخاً ثابت ہے کہ ستر ہزار کرسیاں اس میں لگائی جاتی تھیں۔ اور "سخرنا لہ الریح" کے مطابق ہوا بھی تابع تھی، تو ہر آدمی جو ہوا میں باتیں کرتا تھا وہ خبر لاتی تھی۔ ایک بار وہ تخت اڑتا تھا تو ایک کسان زمین کو پانی دے رہا تھا۔ اس کی زبان سے نکلا۔ سبحان اللہ ماذا اعطی اٰل داؤد" اللہ پاک ہے ہر نقص سے، داؤد کے خاندان کو کتنی بڑی عظمت دی ہے، تو جب تختِ سلیمانی واپس آیا، تو آپ نے ہولے سے پوچھا کہ آج میری سلطنت کے متعلق کوئی بات چیت ہوئی؟، کہا کوئی نہیں البتہ ایک کسان نے یہ کہا ہے، فرمایا لاؤ اس کسان کو، ہوا اسے اُڑا کر لے آئی، فرمایا تم نے کیا کہا؟ وہ کانپنے لگا۔ فرمایا کانپو مت، مَیں بادشاہ نہیں، مَیں لیڈر بھی نہیں ہوں فرمایا مَیں پیغمبر ہوں اور پیغمبر ظلم کرتا نہیں، پھر ڈرنا فضول ہے۔ صاف صاف کہو۔ اس نے عرض کیا کہ یہ بات منہ سے نکلی تھی، تو حضرت سلیمان علیہ السلام رو پڑے کہ افسوس اعمال کا تبادل اللہ کے اختیار میں ہے، ورنہ تم نے جو "سبحان اللہ" بے اختیار کہا (سبحان اللہ تعجب کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ ترجمہ اس کا ہے کہ اللہ ہر نقص سے پاک ہے۔) اس کا جو ثواب اللہ نے تیرے لئے لکھا اگر تو وہ مجھے دیتا اور یہ تخت لے لیتا تو مَیں خوش ہوتا۔ مطلب یہ کہ سبحان اللہ کی اتنی بڑی قیمت ہے کہ حضرت سلیمانؑ رو پڑے کہ تُو قیمت نہیں جانتا ورنہ میرے تخت اور میری سلطنت سے اس کی قیمت زیادہ ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں کو اسلام اور ایمان کی چیزوں پر عظمت اور یقین مکمل نہیں رہا۔

انسان کی ہدایت کے لئے اس مقدّس جملہ میں بڑی چیزیں ہیں۔ جس کی شرح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی دو قسمیں ہیں، سلبی[1]، جن کا حاصل نقص دُور کرنا ہے۔ وہ سبحان میں معلوم ہوا، اللہ ہر نقص سے پاک ہے اور دوسری قسم ہے ثبوتی[2] صفات کی، ان کو حملیہ کہتے ہیں۔ علم، بصر، قدرت، سمع، کلام، حیات، اِرادہ، یہ ثبوتی صفات ہیں۔ اور افعالی صفات بھی ہیں۔ سبحان اللہ

العظیم میں عظمت کا ذکر بھی آگیا ہے۔ اب اس کی عرفانی تفسیر کیا ہوگی؟

سبحان اللہ، ہمارا خدا ہر نقص سے پاک ہے۔ تو تخلقوا باخلاق اللہ کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارا خدا ہر نقص سے پاک ہے، تو خدا کے جو خاص بندے خاص اُمّت ہیں یعنی مسلمان ہیں وہ بھی ہر نقص سے پاک ہونے کی سعی کریں۔ ان کا خدا جھوٹ نہیں بولتا، یہ بھی جھوٹ نہ بولیں، ان کا خدا ظلم نہیں کرتا، یہ بھی ظلم نہ کریں، ان کا خدا خیانت نہیں کرتا، یہ بھی خیانت نہ کریں، وہ خدا دغاباز نہیں، غدّار نہیں، یہ بھی غداری نہ کریں، وہ خدا منصف ہے، یہ بھی انصاف کریں۔ معلوم ہوا کہ یہ اذکار سب، موجبِ تلقین وتزکیۂ قلب ہیں۔ تو ایک مسئلہ گویا سلبی صفات سے تطہیر القلب وتزکیۃ النفس عن النقائص کا نکلا۔

اور اتصاف بالکمالات کا مسئلہ اللہ علیم ہے تم بھی علم حاصل کرو، خدا قدیر ہے تو تم بھی کفر کے بالمقابل قدرت پیدا کرو۔ تخلقوا باخلاق اللہ کے مطابق۔

اور "سبحان اللہ العظیم" عظمت اکثر صفات میں استعمال ہے۔ خدا کی صفات بڑی ہیں۔ یہ ایک سورج دیکھو! نو کروڑ تیس لاکھ میل دُور ہے اور گرمی یہاں پہنچتی ہے اور سائنس دانوں نے بیان کیا ہے کہ اگر دس میل اور قریب ہو جائے تو کُل دنیا جل جائے۔ اور اگر دس میل دُور ہو جائے، تو تمام ملک برف کا ٹکڑا بن کر سب مرجائیں، یہ اس کی کاریگری ہے۔ کوئی سُورج بنا سکتا ہے؟ تو تم اس خدا کے بندے ہو کچھ تو بناؤ۔ صنعت۔ صنع اللہ الذی اتقن کل شئ۔ اللہ کی صفتِ تخلیق سے گویا عیسائیوں نے فائدہ اٹھایا۔ کیا کیا چیزیں بنائیں۔ عظیم افعال اللہ کی نقل عیسائی اتار رہے ہیں اور تم نے کچھ کیا؟

تو اگر ان تین کمالات پر ہم عمل کریں تو کیا ہی اچھا ہو۔ یہ اس حدیث کی عرفانی تفسیر وتشریح ہے۔

میری طاقت کمزور ہے۔ اس لئے بہت سے مضامین چھوڑ دیئے۔

اللہ آپ کے علم وعمل میں برکت دے۔ آپ کے شیخ کو اللہ تعالیٰ عمر دراز دے۔ بخاری کے ختم کی برکت سے اللہ حاضرین کی جائز مرادیں حل فرمائے۔ اللہ تعالیٰ مدرسہ کے اعوان وانصار کی خدمت کو قبول فرمائے۔ مزید خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اس تاریک دَور میں روشنی کے اس مینار اور اس شمع کو تاباں رکھے۔ آمین۔

صلی اللہ علیہ وسلم

نعت النبی

بقلم الاستاذ العلام عبد المنان الدہلوی
ترجمہ
حضرت مولانا ظہور الحق مدظلہ مدرس جامعہ مدنیہ، لاہور

ـــ ۱ ـــ

صبابۃ مشتاق و حبّ احبّۃ خزانۃ غیب من خزائن رحمۃ

عاشق مشتاق کا عشق، اور دوستوں کی محبت رحمتِ خداوندی کے چھپے ہوئے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

و معراج انسان و مرقاۃ طارم ومفتاح عرفان و بکثار نشوۃ

اور انسان کے عروج و بلندی کی سیڑھی اور معرفت کی کنجی اور سرور کی کثرت کا آلہ ہے۔

ونشوۃ نشوان وسکر شبابۃ و نہضۃ اطفالٍ وشغل مشیخۃ

اور سرمستوں کا نشہ اور جوانی کا خمار، اور بچوں کا اٹھان اور بوڑھوں کا مشغلہ ہے

و روح حیاۃ المرء عین کمالہا وراحۃ نفس بالرضٰی مطمئنّۃ

اور عشق کا کمال انسان کی روحِ زندگی اور نفس مطمئنہ کے لئے ذریعۂ رحمت ہے۔

وجرعتہ للشاربین کقہوۃٍ ومن عسل احلٰی واعذب شربۃ

اور پینے والوں کے لئے اس کا گھونٹ قہوہ ہے۔ جو شہد سے اور ہر میٹھی چیز سے زیادہ میٹھا ہے

دلیل فلاحٍ لا فلاح بدونہ تنال بہ اقصٰی مدارج قربۃ

جو کامیابی کی دلیل ہے، جس کے بغیر کامیابی نہیں، جس سے قربِ خداوندی کا انتہائی رتبہ حاصل ہوتا ہے

ہیام و شوق و التہاب وشعلۃ نتائجہ سل عن قتیل مودّۃ

روزے اور شوق پیچ و تاب، جس کے نتائج ہیں۔ کسی شہیدِ محبت سے پوچھ لو۔

شہید الہوٰی یستقبل الموت باسمًا حلاوۃ قربٍ دائم و معیّۃ

شہید موت کا مسکراتے ہوئے استقبال کرتا ہے۔ اور قربِ دائم اور معیتِ خداوندی کی حلاوت کو محسوس کرتا ہے۔

وما الحب الا نعمة وعطية رشاشة رضوان نزول سكينة

محبت نہیں ہے، مگر انعام اور عطیۂ خداوندی ۔ رضوان کی بارش اور اطمینان کا نزول ۔

يمن به المولىٰ علىٰ من يحبه ويرفعه اعلىٰ مراتب رفعة

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پر ہی اس کا احسان کرتا ہے ۔ اور اس کے ذریعے بلند مراتب بخشتا ہے ۔

انيس احباء طراب ومونس وخير جليس في مواقع وحشة

دوستوں کو مانوس کرنے والا اور خوش کرنے والا اور وحشت میں بہترین ساتھی ہے ۔

يعللهم كي تطمئن قلوبهم بذكر وفكر وانصباب ورغبة

ان کو بہلاتا ہے تاکہ ان کے دل ذِکر اور فکر اور شوق و رغبت کی وجہ سے مطمئن ہو جائیں ۔

وذكرك سعدىٰ كيف يحدث بعده حقوق فؤاد واضطراب طبيعة

اور سعدی کو یاد کرنے کے بعد کیسا دِل دھڑکتا ہے اور طبیعت میں اضطراب پیدا ہوتا ہے ۔

وهل سمعت اذناك قيسًا وحبه شديد الليلى اوجميل بثينة

اور کیا تم نے قیس اور اُس کی لیلیٰ سے شدید محبت اور بثینہ کے جمیل کی محبت کے قصّے سُنے ہیں ۔

فذانك برهانان نصحًا وعبرةً بان متاع الدهر اهون قيمة

پس نصیحت و عبرت کے لئے یہ دو دلیلیں ہیں ۔ اس بات پر کہ دنیا بہت ہی بے قیمت چیز ہے ۔

وفي هذه الدنيا سبيل سعادة كذالك في الاخرىٰ سلامة فطرة

اس دُنیا میں سعادتمندی کا راستہ ہے اور نیز دارِ آخرت میں سلامتی ایمان کا ذریعہ ہے ۔

عليك بحبّ لا تذره فانّه ذريعة خير وابتغاء فضيلة

پس محبت کو لازم پکڑ اور اس کو نہ چھوڑ ، کیونکہ یہ خیر کا ذریعہ ہے (اور) فضیلت اِسی سے حاصل ہوتی ہے ۔

ولولا علينا فضله وزيادة لعشنا كمن يلغى اوامر ألفة

اگر اس کا فضل و کرم ہم پہ نہ ہوتا تو ہماری زندگی بھی جفاکاروں جیسی ہوتی ۔

وهمنا بواد ، دُون واد غواية وسرنا كمن يمشي بهمّه حيرة

اور ہم مختلف گھاٹیوں میں سرگرداں اور اپنے مقاصد میں حیران پھرتے ۔

ولم یتمیّز عندنا الحق خالصا عن الباطل المبغوض اکمل میزۃ

اور حقِ خالص اور باطلِ مبغوض میں ہم پُوری تمیز نہ کر سکتے۔

ولٰکن فضل اللّٰہ عم عبادہ فانقذھم من سوءۃٍ وشنیعۃ

لیکن اللہ کا فضل اپنے بندوں پر عام ہُوا، پس اس نے انکو بُرائیوں اور عیب ناک چیزوں سے بچا لیا۔

واکرمھم بالحبّ اعظم دولۃً فما رجعوا الا باوفر حصّۃ

اور ان کو اپنی محبّت سے جو کہ عظیم دولت ہے اعزاز بخشا۔ پس وہ پُورا پُورا حصّہ لے کر واپس لَوٹے۔

و الّا فلا معنی الحیاۃ بدونہ ولا خیر فی عیشٍ کعیش بھیمۃ

اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو زندگی بے مقصد ہوتی، اور جانوروں جیسی زندگی میں کوئی بھلائی نہیں۔

وقد خصّ منھم من یعلم خلقہٗ علوما و اخلاقا برفق و لینۃ

اور خاص کیا ان میں سے جو اس کی مخلوق میں علم اور نرم اخلاق میں بڑھے ہُوئے تھے۔

برحمۃٍ ما لا نطیق عدادھا اولٰئک حزب اللّٰہ ارفع رُتبۃ

اپنی رحمت کے ساتھ جو شمار میں نہیں آسکتی، وہ اللہ کی جماعت ہے جو بلند مرتبہ رکھتی ہے۔

وعلّمھم علما و رأیا وحکمۃً واتاھم الفرقان نور بصیرۃ

اور اُن کو اپنی طرف سے خاص علم اور صحیح فکر اور دانائی اور حق و باطل میں فرق کرنے والا نُور عطا کیا۔

ھم الانبیاء المرسلون جمیعھم مصابیح نورٍ فی غیاھب جبّۃ

وہ جماعت اللہ کے نبیوں اور رسولوں کی ہے جو سخت اندھیروں میں روشنی کے چراغ ہیں۔

اولاء معصومون ممّا یشینھم لوحی الٰھی وحفظٍ وعصمۃ

وہ ہر عیب لگانے والی بات سے پاک ہیں۔ وحی الٰہی اور حفاظتِ خُداوندی کے سبب۔

دعاۃ الی التّوحید رأس دعایۃٍ حماۃ طریق الحق اثناء دعوۃ

اللہ کی توحید کی طرف بُلانے والے۔ اور اثناءِ تبلیغ میں راہِ حق کی حمایت کرنے والے۔

اشدّ بلاءً یصبرون علی الاذیٰ من النّاس اذا وُذُوا بغیر جریمۃ

بڑی بڑی مصیبتوں پر صبر کرنے والے لوگوں سے، جب وہ انہیں جُرم کئے بغیر ایذائیں پہنچاتے ہیں۔

فاعلاهم قدرًا و ارفع منزلًا و انفعهم للخلق سخاء ديمة

پس ان سب سے رتبے اور مقام میں اعلیٰ اور مخلوقات کو نفع پہنچانے میں تیز برستی بارش کی طرح

و اعلمهم بالله معرفة به و اجودهم صدرًا و اصدق لهجة

اور معرفتِ خداوندی میں سب سے زیادہ عالم اور سب سے زیادہ سخی اور زبان کے لحاظ سے سب سے زیادہ سچے

و اشجع فرسانا و اثبت قائمًا و اسرع مقدامًا الىٰ اىّ غزوة

اور شاہسواری میں سب سے زیادہ شجاع اور سب سے زیادہ ثابت قدم، اور ہر غزوہ میں سب سے آگے جانے والے

و ازهد فى الدّنيا كما ينبغى لهٗ و ارغب فى العقبى و اكثر خشية

اور دُنیا سے ایسے بے رغبت جیسے ان کی شان کے مناسب تھا۔ اور آخرت میں بہت رغبت رکھنے والے اور زیادہ ڈرنے والے

وقام يصلّى اذ تذكر قطعةً فراح الىٰ بيت لقسمة قطعة

اور نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تھے (یعنی نماز کے درمیان) کہ سونے کا ٹکڑا یاد آگیا تو گھر کی طرف دوڑے تاکہ غریبوں میں اسکو تقسیم کردیں۔

يحنّ الى المولىٰ اشد استقامة عليه بلا رىبٍ يريب و شبهة

اپنے مولیٰ کی طرف مائل اور راہِ حق پر مستقیم، بغیر اس کے کہ کسی قسم کا شک و شبہ (دل میں) لائیں۔

سلالة عبد الله بن ال هاشمٍ يتيمًا وقد ربّاه حجر حليمة

حضرت عبداللہ کے بیٹے ہاشمی خاندان کے، وہ یتیم ہیں جس کو حضرت حلیمہؓ کی گود نے پرورش کیا۔

واواه اذ همّت قريش بقتلهٖ ابوطالب يحميه عند مُلمّة

اور جب قریش نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا تو ابوطالب نے اس مصیبت میں حفاظت کرتے ہوئے پناہ دی۔

و يرعاه من كيد العدو مخافة شديد التّقىٰ ان لا يصاب بغرّة

اور دشمنوں کے مکر و فریب سے حفاظت کرتے رہے اور نہایت شدّت سے بچاؤ کرتے رہے کہ آپکو اچانک تکلیف نہ پہنچائی جائے۔

و فى شعبهٖ كالحصن ماوًى وعمّهٗ يرى وجههٗ كالبدر احسن طلعة

اور شعب ابی طالب قلعہ کی طرح پناہ گاہ تھی اور آپ کے چچا آپ کے چہرہ انور کو ایسے دیکھتے تھے جیسے چودھویں کا چاند نظر آرہا ہو۔

قصيدتهٗ الغرّاء لغت و مدحةٌ وسوف ترى فيها كمال قصيدة

آپ کا روشن قصیدہ نعتیہ اور تعریفی کلمات پر مشتمل ہے۔ اے پڑھنے والے! تو اس میں قصیدہ کا کمال دیکھے گا۔

مُحمّدٌ الهادى الىٰ سبل الهدى جميع الورٰى و النور كاشف ظُلمة

وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، ساری دُنیا کو سیدھے راستے دکھانے والے اور وہ ہر قسم کی ظلمتوں کو دُور کرنے والے نُور ہیں۔

حُفّاظ و مُحافظینِ قرآن رحمہم اللہ تعالیٰ

اسوۃ الصالحین امام القراء حضرت مولانا
قاری رحیم بخش پانی پتی مدظلہٗ

مرسلہ: مولانا قاری محبُّ اللہ رحیمی برمی

قراءۃ کے معتبر ہونے کے اصول و ارکان

۱۔ وہ قراءۃ نحوی وجوہ میں سے کسی ایک وجہ کے موافق ہو۔ جیسے وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ (البقرہ ع ۳۷) میں تین قراءتیں ہیں (۱) شامیؒ و حفصؒ کے لئے اسی طرح جیسے یہاں درج ہوا، کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے جس کی تقدیر وَهُوَ يُكَفِّرُ ہے (۲) مکیؒ، بصریؒ شعبہ کے لئے وَنُكَفِّرُ اس لئے کہ نون سے حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت ظاہر ہوتی ہے اور اس میں التفات بھی ہے جو علم بدیع کی رو سے ایک صنعت ہے۔ (۳) مدنیؒ اور حمزہؒ، کسائیؒ، امام خلفؒ کے لئے وَنُكَفِّرُ ہے اس لئے کہ اس صورت میں یہ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ کے محل پر معطوف ہے جو جزا ہے، کیونکہ اس کی جگہ فعل یعنی يَكُنْ ہوتا تو اس پر جزم آتا اور اس جزم کے سبب وَنُكَفِّرُ بھی صدقات کی جزا میں شامل ہے اور یہی اجر کی زیادتی اور گناہوں کی معافی اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ (تغابن۔ ع ۲) میں تصریح کے ساتھ بیان کی گئی ہے (پس تینوں قراءتیں کسی نہ کسی نحوی وجہ کے موافق ہیں۔ اسی طرح باقی مواقع کو خیال کرو۔)

۲۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو آٹھ مصاحف لکھوائے تھے اور ان میں سے ایک اپنے لئے رکھا تھا اور ایک اہل مدینہ کو دے دیا تھا اور ایک ایک مکہ، شام، کوفہ، بصرہ، بحرین، یمن کی طرف ارسال کیا تھا اور حکم نامہ جاری فرمایا تھا کہ اسی کے مطابق قرآن مجید پڑھو اور پڑھاؤ۔ سو یہ قراءۃ ان میں سے کسی ایک مصحف میں لکھی ہوتی ہو، گو سب میں نہ ہو۔

پھر یہ موافقت دو طرح پر ہے (۱) تحقیقی۔ کہ کلمہ کی لکھائی صراحۃً اور ظاہراً اس کے تلفظ کے موافق

ہو جیسے ۱ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ کو ابن عامر قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ ۲ وَسَارِعُوْا (آل عمران) کو نافعؒ ابن عامر اور ابو جعفرؒ سَارِعُوْا پڑھتے ہیں ۳ الزُّبُرِ وَ الْکِتٰبِ کو ہشام وَ بِالزُّبُرِ وَبِالْکِتٰبِ پڑھتے ہیں۔ ۴ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ (براءۃ) کو ابن کثیر مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ پڑھتے ہیں اور نمبر ۱ و ۳ شامی مصحف میں اور ۲ مدنی و شامی میں اور ۴ مکی مصحف میں اسی طرح لکھا ہوا ہے۔

۲۔ تقدیری۔ کہ ایک قراءۃ ظاہراً اور دوسری احتمالاً رسم کے موافق ہو، چنانچہ سورۃ فاتحہ میں جو مٰلِكَ ہے وہ تمام مصاحف میں الف کے بغیر لکھا ہوا ہے پس مَلِكَ (الف کے حذف والی قراءۃ) تو ظاہراً رسم کے موافق ہے اور اسی صورت میں مَلِكُ بادشاہ کے معنی میں ہوگا۔

چنانچہ مٰلِكِ النَّاسِ میں بالاتفاق الف کے بغیر ہے اور اسی معنی میں ہے۔ اور الف والی (جو حفصؒ کی بھی قراءۃ ہے) احتمالاً اور تقدیراً رسم کے موافق ہوگی۔ اور اب یہ مالک کے معنیٰ میں ہوگا۔ جیسا کہ مٰلِكَ الْمُلْكِ (آل عمران) میں بالاجماع الف کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور رسم الف کے بغیر ہے۔ پس اس الف کا حذف اختصار کی بناء پر ہے جو اس فاعل کے وزن میں شائع ہے جو عَلَم ہو یا اس کے مرتبہ میں ہو جیسے صٰلِحُ اور عٰلِمُ وغیرہ۔

۳۔ وہ قراءۃ سنداً صحیح ہو یعنی اس کو ایسا شخص روایت کرے جو خود بھی عادل (معتبر) ضابط (قوی الحافظہ) ہو اور جس سے وہ روایت کرے وہ بھی ایسا ہی ہو اور سند کے آخر تک تمام راویوں کا یہی حال ہو۔ نیز وہ قراءۃ اس فن کے ضابط ائمہ کے نزدیک مشہور ہو اور وہ اسکو غلط شمار نہ کرتے ہوں۔

امام اسماعیل بن ابراہیم بن محمد القراب شافی میں کہتے ہیں کہ قرآت حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ معتبر امام سے لفظاً سیکھی جائیں اور متصل سند کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائی جائیں۔

امام ابو محمد ابراہیم بن عمر جعبری فرماتے ہیں کہ اس ضابطہ میں شرط تو صرف ایک ہی ہے اور وہ نقل و سند کی صحت ہے۔ جس قراءۃ میں یہ ہوگی اس میں باقی دو چیزوں یعنی رسم و نحو کی موافقت لازمی طور پر ہوگی۔ پس یہی ایک شرط ہے جو قرآت سبعہ اور ان کے سوا دوسری قراتوں کی صحت معلوم کرنے کا ضابطہ ہے۔ اور جو ناقلین کے حالات سے خوب واقف ہو اور عربیت میں گہری نظر رکھتا ہو اور رسم عثمانی کو پوری مضبوطی سے محفوظ رکھتا ہو، اس کے لئے یہ شبہ خود بخود حل ہو جاتا ہے۔

ابو محمد مکی اپنی کتاب کشف کے تکملہ میں فرماتے ہیں کہ قرآن میں جو کچھ روایت کیا جاتا ہے اس کی تین

قسمیں ہیں۔ اول وہ جس میں (مذکورہ بالا) تینوں رکن موجود ہوں اس کو یقینی طور پر صحیح اور برحق ماننا پڑے گا اور یہ مقبول بھی ہے اور اس کا پڑھنا بھی صحیح ہے، کیونکہ یہ رسم کے بھی موافق ہے اور اجماع سے لی گئی ہے۔ اور اس کا منکر کافر ہے۔ (جیسے مٰلِكِ وَمَا يُخٰدِعُوْنَ وَمَا يَخْدَعُوْنَ، وَوَصّٰى وَاوْصٰى وغیرہ وہ تمام قراءتیں جو مشہور ہیں) پوری تفصیل کے لئے عنایات جلد اول کا مطالعہ فرمائیں اور ان ائمہ کی وہ دس قرآت اور بیس روایات جو علامہ جزری (صاحب حصن حصین) رحمہ اللہ کی نشر میں درج ہیں، بلاشبہ اور بلاشک ایسی ہی ہیں جن میں تینوں رکن پائے جاتے ہیں۔ جن کے منکر کو ابو محمد مکی رحمہ اللہ، کافر بتاتے ہیں، اعاذنا اللہ منہ۔

چند شبہات اور ان کے جوابات میں

عام طور پر لوگ کہا کرتے ہیں۔

شبہ — ۱۔ جب قراءۃ کی تمام وجوہ کا سرچشمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے اور سب قراءتیں اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی ہیں، تو پھر قراءتوں کی نسبت آپ ہی کی طرف کیوں نہیں کی گئی اور مثلاً نافع ابن کثیرؒ وغیرہ کی قراءۃ کیوں کہتے ہیں۔

۲۔ اگر کسی دلیل کی بناء پر ان حضرات کی طرف قراءۃ کی نسبت جائز اور صحیح ہے، تو پھر ایک معین جماعت کے ساتھ خاص کر دینے کی کیا وجہ ہے جبکہ خود ان کے زمانہ میں اور ان سے پہلے اور ان کے بعد اور حضرات بھی فن کے جاننے والے تھے، ان کی طرف نسبت کیوں نہیں کی گئی۔

۳۔ اگر یہ خصوصیت و انحصار بھی کسی دلیل سے ثابت ہے تو پھر قریب زمانہ والوں کو چھوڑ کر ان کی طرف نسبت کرنے کی وجہ کیا ہے، جن کا زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دُور ہے۔

جواب — ان تینوں سوالات کا جواب "قرأت کے ناقلین کے حالات میں" گذر چکا ہے اور اس کو بغور پڑھنے سے اور بھی بہت سے پیچیدہ شبہات خود بخود حل ہو جائیں گے۔

شبہ — ۴۔ پورے غور سے کام نہ لینے کی بناء پر بعض علماء بھی یہ فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام لغات اور حروف کو منسوخ کر دیا تھا اور صرف ایک حرف اور لغت کو باقی رکھا تھا اور وہ قریش کا لغت ہے۔ اس لئے قراءۃ بس یہی ایک ہے جو رائج ہے۔

جواب — یہ حضرات اولاً چند باتیں انتہائی غور کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں اس کے بعد تحقیقی

جواب معلوم کریں۔

(۱) یہ ثابت کرنا ہوگا کہ حضرت عثمانؓ کے وقت سے ہی حفصؒ کی روایت کا رواج تھا۔ حالانکہ حفصؒ اس وقت تک پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

(۲) ان کی روایت میں صرف ایک ہی لغت ہے اور وہ بھی قریشی ہے۔ دوسرے نہیں ہیں۔ حالانکہ ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ اس میں بھی مختلف لغات ہیں جیسے (۱) فتح و امالہ دو لغت ہیں۔ فتح حجاز کا اور امالہ نجد، تمیم اور قیس کا اور حفصؒ کی روایت میں دونوں ہی ہیں (مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا وغیرہ) ہمزہ میں تحقیق و تخفیف دو وجوہ جاری ہیں اور حفصؒ کی روایت میں دونوں ہی موجود ہیں (ءَاَنْذَرْتَهُمْ ءَاَعْجَمِيٌّ ...) ءَاالذَّكَرَيْنِ وغیرہ) (۳) ساکن کے بعد متحرک سے پہلے ھاء ضمیر میں صلہ و عدمِ صلہ دونوں ہیں (فِيهِ هُدًى، فِيهِ مُهَانًا) (۴) یاء اضافت ہمزہ قطعیہ یا ہمزہ کے علاوہ کسی اور حرف سے پہلے آئے تو یاء کا فتحہ اور سکون دو ہیں اور اس میں دونوں ہیں (مَعِيَ ابدا، وامی الٰهین اور اِنِّی اَعوذ، منی اِلا من اغترف وغیرہ اور مالی لا، معی عدواً اور ولیؤمنوا بی لعلهم، لی فاعتزِلون) اور اَلْ تعریفی سے پہلے اس یاء کا فتحہ اور سکون و حذف دو ہیں اور حفصؒ نے دونوں کو لیا ہے۔ (ربّی الذی، عهدِی الظلمین وغیرہ) (۵) فُعُل کے وزن میں عین کا ضمہ حجاز کا اور سکون تمیم، اسد اور قیس کا لغت ہے اور حفصؒ کی روایت میں دونوں طرح ہے (شُغُل، عرُباً، نُكُرٍ اور الرُّعْبَ، عُذراً اَوْ نُذراً نُكُراً وغیرہ) (۶) ضَعْفاً اور ضَعْفٍ میں ضاد کا فتحہ تمیمی اور ضمہ حجازی اور اسدی لغت ہے ابو عبید کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ کے قبیلہ کا لغت ضمّہ ہے اور حفصؒ نے دونوں ہی کو لیا ہے، چنانچہ انفال (ع ۹) میں ان کے یہاں صرف فتحہ اور روم میں ضمہ اور فتحہ دونوں ہیں (۷) جن کلمات مفردہ میں تاء دراز لکھی ہوئی ہے (جیسے نِعْمَتَ گیارہ جگہ بقرہ۔ع ۲۹ اور آل عمران ع ۱۱ وغیرہ اور رَحْمَتَ سات جگہ (بقرہ ع ۲۷ اور اعراف ع ۷ وغیرہ) اور ان کے علاوہ باقی نو کلمات جو سب کی قراءۃ میں اور كَلِمَتَ چار جگہ اور غَيٰبَتِ دونوں اور جِمٰلَتٌ یہ تینوں حفصؒ کی روایت میں واحد کے صیغہ سے پڑھے جاتے ہیں۔ ان سب میں قریش کے لغت میں ھاء کے ساتھ اور بنو طے کے یہاں تاء ہی کے ساتھ وقف ہے اور حفصؒ رسم کی پیروی کرتے ہوئے طے کے لغت کے موافق

تاء ہی سے وقف کرتے ہیں (۸) ہمزۂ ساکنہ میں قریش ماقبل کی حرکت کے مطابق ابدال کرتے ہیں اور بنی تمیم ہمزہ ہی پڑھتے ہیں اور حفصؒ نے بنو تمیم کا لغت اختیار کیا ہے اور ممکن ہے کہ حفصؒ کی روایت میں ان مختلف لغات کے باقی رکھنے میں حق تعالیٰ شانہٗ کی ہزارہا حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہو کہ بعض لغات کے منسوخ ہو جانے کی بناء پر کسی کو یہ دھوکہ نہ ہو جائے کہ سب ہی وجوہ ختم ہو گئی ہیں اور اس بناء پر وہ قرآآت کا انکار نہ کر بیٹھیں فَسُبْحَانَ مَنْ دَقَّقَ فِیْ کُلِّ شَیْءٍ حِکْمَۃً (۹) نیز لازم آئے گا کہ خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ اور حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت ابوہریرہ، حضرت اُبی رضی اللہ عنہم وغیرہ جلیل القدر حضرات جو قرآن مجید اور اس کی تمام قرآآت کے مدارِ سند ہیں اور دیگر تمام صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور بعد کے سب لوگ اجماع کے خلاف کرتے رہے اور اسی طرح نماز پڑھتے اور پڑھاتے رہے اور جماعت میں شامل ہونے والے سب حضرات بھی اسی طرح سنتے رہے۔

اور ائمہ کے حالات میں آپ نے پڑھا ہی ہے کہ انہوں نے ۷۵ سال سے لے کر ۹۹ سال تک عمر پائی اور ہر ایک نے قرآن مجید کی خدمت میں ۶۰ برس سے زیادہ صرف کیے۔ روزانہ بے شمار طلبہ ان کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ نافعؒ فجر سے پہلے پڑھانا شروع کر کے عشاء تک برابر پڑھاتے رہتے تھے اور ہر شخص کے لئے تیس آیتوں کا وقت مقرر تھا۔ بڑی کوشش کے بعد ورشؒ کو تہجد کے بعد زیادہ وقت ملا تھا۔ ابوعمروؒ کے گرد مجمع دیکھ کر حسن بصریؒ نے تعجب سے کہا تھا کہ کیا علماء ارباب بن گئے۔ عاصمؒ سے پڑھنے کا موقع مشکل سے ملتا تھا۔ کسائیؒ سے دَور اور قراءۃ کے طور پر پڑھنا ناممکن ہو گیا تھا بلکہ طلبہ کی کثرت کی بناء پر دُور بیٹھنے والوں کو شکل دیکھنی بھی دشوار تھی۔ اس لئے کسائی منبر پر بیٹھ کر خود پڑھتے تھے اور شائقین آپ کی قراءۃ سے حاصل کرتے جاتے تھے۔ دوسرے اماموں کا بھی یہی حال تھا۔ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی کو پتہ نہیں کہ ان سے کتنی مخلوق نے پڑھا اور فیض حاصل کیا۔ اسلامی دنیا کی کونسی بستی ان کے خوشہ چینوں اور شاگردوں سے خالی تھی۔

اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ اس فن میں علماء نے اتنی کتابیں تصنیف کیں کہ ان کا احصا نہیں ہو سکتا، جہاں تک ہماری معلومات کی حد ہے اس کی رو سے بھی تین سو بلکہ اس سے بھی زائد کتابیں بنتی ہیں ان سب کو ہمارے شیخ مدظلہٗ نے عنایاتِ رحمانی کے مقدمہ میں سن وار بتایا ہے اور ہر ایک کے مصنف

کا حال بھی ذکر کیا ہے۔ مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصنفین بھی کوئی معمولی حضرات نہ تھے، ایک کتاب القراءۃ ہی کو لے لیجئے، اس کے مصنف امام ابو عبید قاسم بن سلام ہیں جو تمام اسلامی علوم میں بڑے درجہ کے امام تھے۔ بقول بعض، انہوں نے ہی سب سے پہلے قرآآت میں کتاب لکھی ہے۔

ذہبی ان کے بارہ میں کہتے ہیں کہ بیس سے زیادہ تصانیف آپ کی یادگار ہیں جو ان کو دیکھتا ہے اس کو آپ کے حفظ وضبط، علم وفضل کا پتہ چلتا ہے۔ ابو قدامہ کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ فہم ہیں، امام احمدؒ پرہیزگاری میں، امام اسحٰقؒ حافظہ میں سب پر فائق ہیں اور امام ابو عبید لغت وعربیت میں اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ اسحٰق بن راہویہ کہتے ہیں کہ آپ علم میں ہم سب پر فائق تھے اور سب سے زیادہ ادیب اور علوم کے جامع تھے۔ ہم سب علوم میں ان کے محتاج تھے ان کو ہماری حاجت نہ تھی۔ ثعلب کہتے ہیں کہ اگر یہ بنی اسرائیل میں ہوتے تو حبر ہوتے۔ ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ گویا آپ علم کے ایک پہاڑ تھے جس میں روح پھونک دی گئی تھی۔ ہیبت اور وقار والے تھے اور امین تھے۔ روایات کے بارہ میں مقبول تھے۔ دین کے امور میں کسی نے کبھی بھی ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ۱۵۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۲۴ھ میں مدینہ میں وفات پائی رحمۃ اللہ علیہ (اسہل الموارد) اسی سے باقی کا اندازہ لگا لیجئے۔ کیا ان حالات میں کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ سب قراءتیں منسوخ ہو چکی تھیں۔

جو چیز قرآن مجید میں نہ ہو اس کے خلاف پڑھنے سننے اور لکھنے پر تو ادنیٰ درجہ کا مؤمن بھی صبر نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ یہ ذمہ دار اکابر اور خصوصاً صحابہ کرامؓ۔ ان حضرات سے تو یہ بات بالکل ہی ناممکن ہے۔

اصل جواب (۱) پس معلوم ہوا کہ قریش کے سوا باقی سب ہی لغت ختم نہیں کر دیئے تھے بلکہ ان لغات کو منسوخ کیا تھا جو غیر فصیح تھے اور قریش کے یہاں معتبر نہیں سمجھے جاتے تھے جیسے ہذیل کے یہاں حَتّٰی کے بجائے عَتّٰی بولتے تھے اور اسدی تَعْلَمُوْنَ، تَعْلَمُ، تَسْوَدُّ اور اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ وغیرہ میں علامت مضارع کو کسرہ سے ادا کرتے تھے اور باقی لغات میں اس کا فتحہ ہے۔ سو ان کو اور انکی طرح کے دیگر لغات کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ضرور منسوخ فرما دیا تھا۔ اسی لئے اب عتّٰی کسی قراءۃ میں نہیں ہے اور علامت مضارع کا کسرہ بھی

صرف دو جگہ اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْ (یونس ۴۶) اور یَخِصِّمُوْنَ (یٰسٓ ۳۶) میں ہے جو شعبہؒ کی قرأۃ ہے اور یہ حفصؒ کے استاذ بھائی ہیں اور موصوف نے ان دونوں کلمات میں یاء کا کسرہ اپنی رائے سے نہیں پڑھا ہے "حاشا وکلّا" کلامِ الٰہی کے حرکات وغیرہ میں رائے کا دخل ذرّہ برابر بھی نہیں ہے بلکہ یاء کا فتحہ اور کسرہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ذریعہ منقول ہیں اور ان میں یاء کی یہ دونوں حرکتیں عربیت کی رو سے عمدہ ترین خوبی کی حامل ہیں، چنانچہ فتحہ اس لئے ہے کہ یاء پر کسرہ کی حرکت قدرے دشواری سے ادا ہوتی ہے۔ پس فتحہ آسانی کے لئے ہے۔ رہا یاء کا کسرہ سو وہ ان کلمات میں ہآء اور دآل اور خآ اور صآد کے کسرہ کی مناسبت سے ہے اور یہ مناسبت بھی لفظ میں عجیب حسن پیدا کرتی ہے۔

ہاں البتہ رسم الخط قریشی ہی رکھا تھا۔ قَالَ الشَّاطبیؒ ؎

علی لسان قریش فاکتبوہ کما ــــ علی الرسول بہٖ انزالُہ انتشرا

(ترجمہ) اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھنے والوں سے فرمایا کہ اس (قرآن) کو قریش کے لغت کے موافق لکھو جیسا کہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اسی (لغت) میں اس (قرآن) کا نازل ہونا مشہور ہو گیا ہے (یعنی یہ فرمایا کہ جب کسی لفظ کی کتابت میں آپ حضرات کا اختلاف ہو تو اس کو قریش کے لغت کے موافق لکھنا، کیونکہ قرآن اسی لغت میں نازل ہوا، چنانچہ التَّابُوْتُ کی تاء میں اختلاف ہوا اور معاملہ آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو لمبی تاء سے لکھو، کیونکہ قریش کے لغت میں یہ تاء ہی سے ہے (اسھل الموارد)

(۲) اور متعدد قرآآت کے باقی رہنے کا بیّن ثبوت یہ بھی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے متعدد مصاحف لکھوائے اور جن مقامات میں ایک ہی رسم سے سب قراءتیں نکل سکتی تھیں وہاں سب کا رسم ایک ہی رکھا شاطبیؒ رائیہ میں کہتے ہیں ؎

فقام فیہ بعون اللہ یجمعہ ــــ بالنصح والجِدِّ والحزم الذی بھرا
من کل اوجھہ حتی استتمَّ لہٗ ــــ بالاحرف السَّبْعَةِ العلیا کما اشتھرا

نیز فرماتے ہیں ؎

فجرّدوہُ کما یھوٰی کتابتہ ــــ ما فیہ شکل ولا نقط فیحتجرا

ترجمہ سودہ (حضرت زیدؓ) اس (کام) کے لئے کھڑے (اور مستعد) ہوگئے حالانکہ آپ اس (قرآن) کو اس کی تمام وجوہ سمیت خالص نیتی (خیرخواہی) اور (پوری) کوشش اور اس احتیاط سے جمع کر رہے تھے جن میں سے ہر ایک غالب تھی (یعنی کوشش اور خلوص اور احتیاط کا کوئی دقیقہ بھی باقی نہیں چھوڑا)۔

۲۔ یہاں تک کہ وہ (قران ان (زید) کے لئے ان سات حروف کے ساتھ پورا ہوگیا جو بلند ہیں (یعنی جن کا ذکر حدیث میں آیا ہے۔ پس سات حروف سے قراءتیں سبعہ کی قراءتیں مراد نہیں ہیں، کیونکہ وہ تو ان کا ایک جزو ہیں) جیسا کہ وہ (سات حروف کا ذکر حدیث کی رو سے) مشہور ہوگیا ہے۔ یعنی مشہور حدیث میں آیا ہے کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے۔

۳۔ پس ان لکھنے والوں (حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ حضرت اُبی بن کعبؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن حشام رضی اللہ عنہم نے اس قرآن کو تفسیری الفاظ اور حرکات اور نقطوں سے اسی طرح) خالی رکھا جس طرح وہ (عثمان رضی اللہ عنہ) اس (قرآن) کی کتابت کی خواہش رکھتے تھے (کہ) نہ اس (مصحف) میں حرکت تھی اور نہ نقطہ تاکہ یہ دونوں (چیزیں حرکات اور نقطے قراآت کے اختلاف کو) روک دیں اور دوسری قراءت ظاہر نہ ہونے دیں۔ یعنی حرکات نقطے اس لیے نہیں لگائے گئے کہ اگر یہ دونوں چیزیں ہوتیں تو ان سے صرف ایک ہی قراءۃ ظاہر ہوتی۔ رہی دوسری قراءۃ سو اس کے لیے یہ دونوں چیزیں رکاوٹ بن جاتیں۔ مثلاً یُقْبَلُ میں یاء کے نیچے دو نقطے لکھتے تو تاء والی قراءۃ ظاہر نہ ہوتی اور اسی طرح قَدَرُہٗ میں دال پر زبر لکھتے تو جزم والی قراءۃ کی گنجائش نہ رہتی اور نقطہ اور حرکات نہ ہونے کی صورت میں یُقْتَلُ اور تُقْبَلُ اور قَدْرُہٗ اور قَدَرُہٗ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں (اسہل)

اسی طرح هَيْتَ (یوسف) میں متواتر قراءتیں چار ہیں (۱) هَيْتَ بصریؒ وکوفیؒ کی (۲) هَيْتُ مکیؒ کی (۳) هِيْتَ مدنیؒ وابن ذکوان کی (۴) هِئْتَ ہشامؒ کی قراءۃ ہے (اور یہ چاروں هَيْتَ کے لغت ہیں۔ اور چاروں قراءتیں اسی ایک رسم سے نکلتی ہیں۔)

اور جن مواقع میں ایک ہی رسم سے دوسری قراءتیں نہیں نکل سکتی تھیں ان کا رسم مختلف کرایا، چنانچہ ۱؎ قُلْ سُبْحَانَ میں ابن کثیرؒ اور ابن عامرؒ کی قراءۃ قُلَ ہے اور مکی اور شامی مصحف کی رسم بھی الف ہی

کے ساتھ ہے۔ شاطبی رائیہ میں کہتے ہیں ؎

وقال ملکٍ وَّ ہشام قبلہٗ خبرا (ای قبل سبحان)

۲۷ مُفْسِدِیْنَ ٥ قَالَ الْمَلَاُ (اعراف ۱۰۶) میں ابن عامرؒ کے لیے وَقَالَ ہے واؤ کے ساتھ اور شامی مصحف کی رسم بھی اسی طرح ہے۔ چنانچہ رائیہ میں ہے ؎

رَبَصْطَةً بِاتِّفَاقٍ مُفْسِدِیْن وقا ــــ لَ الْوَاوُ شَامِیَّۃٌ مَشْهُوْرَةٌ اَثَرَا

اسی طرح باقی مقامات کو سمجھ لو۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِیْنُ۔

شبہ ۵ بعض مغربیت زدہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآآت ناشی عن الخط ہیں۔ یعنی لوگوں نے مصاحف میں جو کچھ لکھا دیکھا اسی کے موافق پڑھ لیا اور اس طرح متواتر قرآآت بنالیں۔

جواب ــ ان کا یہ قول صراحۃً ناواقفیت پر مبنی ہے۔ اس لیے کہ فن کے بہت سے احکام مثلاً ادغام واظہار اور ہائے ضمیر کا صلہ اور عدمِ صلہ اور اس کا کسی جگہ کسرہ اور کسی جگہ ضمّہ اور مدّات کی مقداریں اور ہمزہ کی تحقیق و تخفیف اور فتح و امالہ اور تائے د راز پر ہا سے وقف اور یاآت اضافت کا کہیں فتحہ اور کہیں سکون اور یاآت زوائد کا کہیں اثبات اور کہیں حذف اور بعض کلمات میں غیبت و خطاب اور تکلم یا رفع، نصب، جر اور جزم اور کسی کلمہ میں ایک جگہ اختلاف ہونا اور دوسری جگہ نہ ہونا ان سب باتوں کا نقل کے بغیر کس طرح پتہ لگا۔ نیز یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ بعض جگہ رسم میں کچھ حروف زائد لکھے ہوئے جو کسی قراءۃ میں بھی پڑھنے میں نہیں آتے جیسے بِاَیِّکُمُ المفتون اور بِاَیْدٍ وّانا لموسعون اور بِاَیٰتِہِ اللّٰہ میں دو یائیں لکھی ہوئی ہیں اور لا اَذْبَحَنَّہٗ اور لَا اِلَی الجحیمِ وغیرہ اور جِایْٓءَ اور لِشَایْءٍ اِنّیْ میں الف کی زیادتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ نقل ہی سے یہ سب باتیں ثابت ہوئی ہیں محض رسم ان کے لیے کافی نہیں۔

اور اس سے بھی زیادہ بیّن ثبوت یہ ہے کہ ابن عامرؒ لِاِیْلٰفِ میں تو یا کا حذف کرتے ہیں اور اِیْلٰفِھِمْ میں نہیں کرتے حالانکہ رسم کا تقاضا تو یہ ہے کہ اول میں یا پڑھی جائے اور ثانی میں حذف کی جائے۔

شبہ ۶ اگر یہ سب قرآآت درست ہیں تو احادیث کے ذخیرہ میں ان اختلافات کا ذکر کیوں نہیں آتا۔

جواب ۔ (۱) اجمالی ذکر تو اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْہُ میں آیا ہے اور تفصیل اس فن کی کتابوں میں ہے۔

(۲) بخاری شریف وغیرہ کتب میں وہ احادیث جمع کی گئی ہیں جن کا تعلق احکام سے ہے اور اس فن کی کتب تیسیر وغیرہ ہیں اور تیسیر کا اہلِ فن کے نزدیک وہی مرتبہ ہے جو فنِ حدیث میں بخاری شریف کا ہے۔ اور شاطبیہ مسلم شریف کے مرتبہ میں اسی طرح نشر کا درجہ ہے۔ اور جس طرح کتب احادیث میں ہر روایت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک سند ذکر کی گئی ہے ٹھیک اسی طرح تیسیر و نشر میں بھی روایت کی سند بتمامہ وکمالہٖ مذکور ہے۔

اور جس طرح رجال حدیث کی جرح وتعدیل کی گئی ہے۔ اسی طرح ہر روایت بلکہ ہر اختلاف کے رجال کی بھی پوری پوری تنقیح کی گئی ہے اور جس اختلاف کی نقل میں تفرد یا اس کے راوی میں کسی قسم کی کمزوری پائی گئی۔ اس کو بتایا گیا ہے۔ حتّٰی کہ جو اختلاف طریق کے خلاف ہے۔ اس تک کو بھی جتا دیا گیا ہے اور گو فی نفسہٖ اس کا پڑھنا صحیح بھی ہو اس بناء پر کہ وہ منزّل من اللہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم فرمائی ہے اور صحیح طریق کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے، لیکن جو شخص طرق و روایات میں ماہر اور قرآآت کے اختلافات کا عارف ہو اس کے لئے اربابِ فن اس کے طریق کے خلاف ہونے کے سبب اس کو عیب جانتے ہیں۔

دیکھا آپ نے اہلِ فن نے اس بارہ میں کس قدر احتیاط برتی ہے اور قرآن مجید کی شان بھی یہی ہے۔

شبہ ۷ ۔ بعض کا قول ہے کہ تمام قرآآت کی حقیقت خبر واحد سے زیادہ نہیں ہے، کیونکہ ان کی اصلیں تیسیر و شاطبی و نشر ہیں۔

جواب (۱) پھر حفصؒ کی روایت ہی کا کیا اعتبار ہے اس کی اصل بھی یہی کتب ہیں اس کے سوا آپ کوئی سند نہیں بتا سکتے اور نہ حفصؒ کے اختلافات کو کسی اور کتاب سے نکال سکتے ہیں۔ بس اب تو قصّہ ہی تمام ہوا اور سارے کا سارا کام ہی ختم ہوا اور اگر یہ روایت درست ہے اور یقیناً درست ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان کی بیان کی ہوئی ایک روایت تو قبول کی جائے اور باقی کو نظر انداز کر دیا جائے۔

(۲) جب ان کے بیان کردہ اختلافات کو ان کے زمانہ میں اور بعد کے تمام زمانوں میں تمام امت نے قبول کیا ہے اور اسی طرح پڑھا اور پڑھایا اور کسی نے بھی انکار نہیں کیا تو آپ ہی تواتر ثابت ہو گیا۔

نیز آج بھی یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہر امام کے جو اختلافات ہمارے ملک میں پڑھے اور پڑھائے جاتے ہیں ٹھیک اسی طرح دیگر ممالک میں نقل کئے جاتے ہیں، یک سرِ مو بھی فرق نہیں ہے۔ بلکہ معانی میں تو اتنی بات ہو بھی جاتی ہے کہ ایک مترجم اور مفسر ایک لفظ کے ایک معنیٰ کرتا ہے اور دوسرا مترجم دوسرے معنیٰ کرتا ہے اور گروہ دونوں مقصد کے لحاظ سے متحد ہی ہوں، لیکن اختلاف ضرور ہے اور قرآت کے اختلافات میں تو ذرّہ برابر بھی فرق نہیں ہے اور اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے بالکل اسی طرح ثابت ہے اور آپ نے اسی طرح پڑھایا۔ اور ادا کر کے بتایا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی کسی کے لیے یہ کہنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ قرآت حد تواتر تک نہیں پہنچی ہوئی ہیں۔

حاصلِ کلام

یاد رکھئے جو قرأۃ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہو جائے اس کا قبول کرنا واجب ہے اور اُمّت میں سے کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ اس کو رد کر دے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس پر بھی کہ ہر قرأۃ حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے نازل ہوئی ہے، کیونکہ ہر قرأۃ کا دوسری کے ساتھ ایسا ہی تعلق ہے جیسا کہ ایک آیت کا دوسری آیت کے ساتھ ہے پس ہر آیت کی طرح ہر قرأۃ پر ایمان لانا واجب ہے اور وہ آیت و قرأۃ جس معنیٰ پر مشتمل ہے اعتقاداً بھی اس کی پیروی کرنا واجب ہے اور عملاً بھی۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ان میں سے جو وجہ پڑھو وہی درست ہے، مگر شک نہ کرو، کیونکہ ان میں شک کرنا کفر ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

آخر میں یہ بات پوری طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ اب امت کے پاس صرف دس قرأتیں اور ان کی دو ہی روایتیں باقی ہیں ان میں سے سبعہ (یعنی نافعؒ، ابن کثیرؒ، ابو عمروؒ، ابن عامرؒ، عاصمؒ، حمزہؒ، کسائیؒ ..... اماموں کی قرأتیں) متواتر ہیں اور ثلاثہ (یعنی ابو جعفرؒ، یعقوبؒ، خلفؒ کی قرأتیں)

مشہور ہیں۔ ان کی قرآنیۃ کا اعتقاد رکھنا ضروریات دین سے ہے اور ان کا نماز وغیرہ میں پڑھنا بھی صحیح اور درست ہے۔ اور ان کے کسی ایک حرف کا انکار کرنا کفر ہے۔ ان کے ماسوا چار اور ہیں جو شاذ ہیں۔ یہ صرف کتابوں میں درج ہیں۔ پڑھی پڑھائی نہیں جاتیں۔ ان کا نماز وغیرہ میں پڑھنا درست نہیں ہے اور ان کی قرآنیۃ کا اعتقاد رکھنا بھی جائز نہیں۔

قاضی القضاۃ ابونصرؒ عبدالوہاب بن امام سبکیؒ محقق جزری (صاحبِ حصن) کے استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں الحمدللہ قرآت سبعہ جو شاطبیؒ نے بیان کی ہیں اور ان کے بعد کی تین قراءتیں متواترہ، معلومہ اور ضروریات دین سے ہیں اور اسی طرح ہر وہ حرف جس کو عشرہ میں سے کوئی ایک امام روایت کرے منزّل من اللہ اور ضروریات دین سے ہے اس میں جاہل ہی مکابرہ کر سکتا ہے اور یہ قرآت ان ہی کے لئے متواتر نہیں جنہوں نے ان کو روایۃً پڑھا ہو بلکہ کلمہ شہادت پڑھنے والے ہر مسلمان کے لئے متواتر ہیں۔ خواہ وہ ایسا عامی ہو جس نے قرآن مجید کا ایک حرف بھی نہ پڑھا ہو۔

ہذلی کہتے ہیں کہ کسی کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ ان قراءتوں کو شاذ کہہ دے جو اسے نہ پہنچی ہوں، کیونکہ جو قراءۃ پڑھی جائے اور روایت کی جائے اور رسم کے موافق ہو اور اجماع کے خلاف نہ ہو وہ صحیح ہے۔ (عنایات از نشر)۔ (یہ مضمون ختم ہو گیا)

جامع مسجد "البدر" کے لئے اپیل

امامیہ کالونی شاہدرہ لاہور میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں مدظلہ، خلیفہ مجاز حضرت مدنیؒ اور حضرت سید انور حسین نفیس رقم مدظلہ، خلیفہ مجاز حضرت رائپوریؒ نے گذشتہ ماہ جامع مسجد البدر کی بنیاد رکھی — امامیہ کالونی کی بیشتر آبادی شیعہ حضرات پر مشتمل ہے، اس لئے اہلسنت کی اِس زیرِ تعمیر مسجد کے لئے ہم مسلمانانِ لاہور سے تعاون فرمانے کی اپیل کرتے ہیں — امید ہے مخیّر حضرات بیش از بیش امداد فرما کر مستحق اجر و ثواب ہوں گے۔

ملک بشیر احمد، کوثر بوٹ شاپ، جامع مسجد البدر، نزد ریلوے پھاٹک، امامیہ کالونی شاہدرہ لاہور

جامعہ مدنیہ

کے لئے

اپیل

بحمداللہ جامعہ مدنیہ کا تعلیمی کام روز بروز وسعت پکڑتا جارہا ہے۔ اس کے لئے موجودہ عمارت اور جگہ ناکافی ہے۔ اس لئے قریبی ملحق زمین خریدنی ضروری ہے۔ جامعہ کی اتنی مالی وسعت نہیں ہے کہ وہ ایک لاکھ بیس ہزار کی رقم ادا کر سکے۔ اس لئے تمام باحیثیت دینی درد رکھنے والے حضرات سے التماس ہے کہ وہ اس عظیم کارِ خیر اور صدقۂ جاریہ میں حصّہ لے کر قیامت تک جاری رہنے والی نیکی میں شریک ہوں۔

منجانب :

اراکین جامعہ مدنیہ - لاہور

فون نمبر —— ۶۲۹۳۲

یہ کلام ہمارے
واجب التعظیم بزرگ حضرت
مولانا مسعود علی آزاد مدظلہ کا
ہے۔ آپ حضرت اقدس مولانا
شاہ عبدالقادر رائپوری کے خلیفہ
اور امام صلوٰۃ ہیں
مدّ اللہ ظلہم

تاروں کی چھاؤں میں نہ طلوعِ سحر میں ہے
نادیدہ ایک جلوہ جو میری نظر میں ہے

منزل پہ ہے کبھی تو کبھی رہگذر میں ہے
وہ شوقِ بے پناہ جو عزمِ سفر میں ہے

باوصفِ دورِ چرخ بایں گردشِ مدام
ہستی کا ہر سکون تری رہگذر میں ہے

میرا جنوں نہ دیکھ کہ تُو بھی تو اے ندیم
اُلجھا ہُوا کشاکشِ فکر و نظر میں ہے

لے جائے گی اُڑا کے نشیمن تک ایک دن
پرواز کی اُمنگ اگر بال و پَر میں ہے

تفسیر آستیں کی نمی ہی بتائے گی
کچھ راز سا جو اَب بھی مری چشمِ تر میں ہے

آزاد کیا اسے نظر آئے مقامِ عشق
وہ بوالہوس جو منزلِ عیب و ہنر میں ہے

سرمایہ ختم کیا جائے یا بخل؟

فناء میں بقاء

عمل اور روح کا رابطہ ، ماہرین روحانیت کا فیصلہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد میاں مدظلہم

دو کلمے ہیں، سبحان اللہ والحمد للہ ۔ زبان نے حرکت کی اور یہ کلمے (بول) سُنے گئے ، حرکت ختم ہو گئی ، آواز بھی ختم ہو گئی، مگر کیا یہ الفاظ بھی ختم ہو گئے جو زبان سے صادر ہوئے تھے ۔

پُوری دنیا ہمیشہ اسی فریب میں مبتلا رہی کہ یہ الفاظ ختم ہو گئے ، فلاسفہ اور منطقی حضرات اپنی چمکتی ہوئی دلیلوں سے یہی ثابت کرتے رہے کہ الفاظ اعراض ہیں ، جن کی اپنی کوئی ہستی نہیں ہوتی ۔ کسی دوسری چیز کے سہارے ان کا نمائشی وجود ہوتا ہے ۔ جو "آناً فاناً" ختم ہو جاتا ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "سبحان اللہ والحمد للہ تملآن ما بین السماء والارض" ۔ سبحان اللہ اور الحمد للہ اس تمام فضا کو پُر کر دیتے ہیں جو آسمان اور زمین کے بیچ میں ہے ۔

یہ ایک ایسی ہستی کا اعلامیہ تھا جو کائنات کا حقیقت شناس ہے ۔ اور ہم اس کو رسول برحق مانتے ہیں ، مگر ہماری فلسفہ زدہ شکی طبیعت اس ارشاد کی تاویل و توجیہہ کرتی رہی ۔ اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ یہ حدیث پڑھتے ہوئے ہمیں جھجک ہوئی کہ محققینِ فلسفہ و سائنس ہمیں اوہام پرست کہیں گے (معاذ اللہ)

بیسوی صدی کے سائنس دانوں کو خدا ہدایت نصیب کرے ، انہوں نے خود اپنے اماموں اور پرانے استادوں "فلاسفۂ قدیم" کی تردید کی ۔

سات سمندر پار واشنگٹن (امریکہ) سے ایک شخص ریڈیو پر بولتا ہے ، دنیا کے ہر گوشے سے اُس کے الفاظ سُن لئے جاتے ہیں ۔ کیا بولنے والے کے الفاظ ختم ہو گئے تھے ۔ فنا ہو گئے تھے ۔ اگر فنا ہو گئے

تھے تو یہ فضا ان الفاظ سے کیسے بھر گئی۔ یا بجلی کی لہروں نے ان الفاظ کو دنیا کے ہر گوشہ میں کس طرح پہنچا دیا، اگر یہ ختم اور فنا ہو گئے تھے۔

تقریر کرنے والے یا بولنے والے کے قریب آپ نے چھوٹا سا آلہ رکھ دیا، آپ کی تمام تقریر اور تمام گفتگو ریکارڈ ہو رہی ہے۔ تقریر کرنے والے کی وفات ہو گئی، مگر اس کی تقریر کا یہ ریکارڈ موجود ہے جب چاہیں آپ سُن سکتے ہیں۔ کیا عجب ہے اس طرح کی کوئی قوت قدرت نے خود ہماری آنکھ، ناک اور ہماری جلد اور بدن کے حصہ میں رکھ دی ہو اور نہ رکھ دی ہوتی تو ہم باہر بھی اس کا ادراک کیسے کر سکتے؟ جبکہ ہم میں اس کیفیت کا شعور ہی نہ ہوتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم میں یہ کیفیت ہو۔ پس جب ہم میدانِ حشر میں داورِ محشر کی عدالت میں اپنے کسی قول یا فعل سے انکار کریں تو ممکن ہے کہ ہمارے اعضاء کا یہ مخفی ریکارڈ دفعۃً بجنے لگے اور ہمارا پول کھول دے۔ کما یشیر الیہ قولہ تعالےٰ

وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ (سورہ سجدہ ع ۳)

اور ملاحظہ فرمائیے کسی شرارت پسند بدزبان نے کسی نیک اور سنجیدہ بزرگ نے غصہ سے بے تاب ہو کر کسی کو گالی دیدی، پھر زبان رُک گئی، الفاظ ختم ہو گئے، فضا میں خاموشی چھا گئی، مگر کیا گالی کے الفاظ کی تاثیر بھی ختم ہو گئی۔ ایک شاعر نے اپنی عربی زبان میں کہا تھا۔

جَراحات السّنان لها التیام ولا یلتام ماجرح اللّسان

نیزے کے زخم بھر جاتے ہیں مگر وہ زخم نہیں بھرتا جو زبان نے لگایا ہو۔

فنا میں بقا، جس کی چند مثالیں پہلے گذریں، صرف زبان کے فعل اور زبان کی حرکت تک ہے یا انسان کے ہر فعل کی یہی خاصیت ہے کہ بظاہر ختم ہو جاتا ہے، مگر واقعہ اور حقیقت کے لحاظ سے کبھی ختم نہیں ہوتا ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ اتنا تو ہمیں معلوم ہے، یعنی ہمارے مشاہدہ کی بات ہے کہ جب تک انسان کا سانس باقی ہے عمل کی تاثیر ختم نہیں ہوتی۔

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ فردوسی نے جب سلطان محمود غزنوی کی فرمائش کے بموجب ساٹھ ہزار شعر کا "شاہنامہ" لکھ کر پیش کر دیا تو اول تو اپنی قرار داد کے بموجب انعام دینے میں محمود غزنوی کو تامل ہوا۔ بالآخر جب یہ طے کر لیا کہ جو انعام (فی شعر ایک دینار) طے ہوا تھا وہ ادا کرنا ہے تو انعام کی رقم فردوسی کے مکان کی طرف چل رہی تھی اور فردوسی زندگی کے سانس پورے کر کے قبرستان جا رہا تھا (اللہ بس باقی ہوس)

مطلب یہ کہ فردوسی نے جو فعل کیا تھا اس کی تاثیر نہ صرف اس کی زندگی کے آخری سانس تک باقی رہی بلکہ اس کی وفات کے بعد بھی باقی رہی اور کہہ سکتے ہو کہ اتنی تاثیر آج تک بھی باقی ہے کہ ہر صاحبِ نظر کی نظر میں فردوسی قابلِ احترام ہے اور سلطان محمود پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس نے وعدہ پورا کرنے میں پس و پیش کیوں کیا؟

اچھا جب ہم نے کہا کہ انسان ختم ہی نہیں ہوتا، موت فنا نہیں ہے بلکہ انتقال ہے، ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف، تو کیا درست ہوگا کہ "عملِ انسان" کو ختم مان لیا جائے اور اسے منتقل شدہ نہ مانا جائے جس کے اثرات یہاں بھی رہیں اور وہاں بھی ہوں۔

ہاتفِ غیبی وحی کے ذریعہ انسان کو یہی تنبیہہ کرتا رہتا ہے اور یہی آگاہی دیتا رہتا ہے "غافل جس طرح موت سے تیری فنا نہیں ہے، تیرے عمل کو بھی فنا نہیں ہے۔"

یہاں ہم ان کو نہیں مانیں گے جن کو انسانی ترقی اور انسانی تنزّل کا فرق بھی معلوم نہیں ہے۔ جن کی ترقی کا الٹا اثر یہ ہے کہ نوعِ انسان دولت اطمینان سے محروم ہے اور جیسے جیسے ترقی کی رفتار تیز ہو رہی ہے بے اطمینانی اور آپس کی بے اعتمادی بڑھ رہی ہے، خوف و ہراس کی وبا پھیل رہی ہے، انسان کو انسان سے نفرت ہو رہی ہے اور جذبات عداوت میں بحران پیدا ہو رہا ہے، دعویٰ ہے دانش مندی اور ہمہ دانی کا، مگر دانش وری یہ ہے کہ خود اپنی خبر نہیں کہ وہ کیا ہیں۔

باہمہ ذوقِ آگہی، ہائے رے پستیٔ بشر
سارے جہاں کا جائزہ، اپنے جہاں سے بے خبر (جگر مراد آبادی)

ایک صاحب فرماتے ہیں اور صحیح فرماتے ہیں۔

؎ نور و نار بھی شامل ہے، سوز و ساز بھی داخل ہے
جانے کیا کیا ترکیبیں ہیں اجزائے انسانی میں

؎ یہ کھٹکا سا ہے کیا؟ آخر جس کے سہارے جیتا ہوں
حالِ دنیا معلوم ہو کیا؟ جب حالِ دل معلوم نہیں (گوپی ناتھ امن)

ایک دانش مند کے خیال میں دانش وری یہی ہے کہ نادانی کا اعتراف کیا جائے۔

؎ تا بدانجا رسید دانشِ من — کہ بدانم ہمی کہ نادانم (ابو شکور بلخی)

یہاں ہم صرف ان کی بات مانیں گے جن کے متعلق دنیا کے دانش ور اور دانش مند مانتے ہیں کہ قدرت نے ان کو پیدا ہی اس لئے کیا تھا کہ وہ انسان کو آگاہ کریں کہ انسانیت کیا ہے؟ آدمیت کسے کہتے ہیں، اس کا کیا مقصد ہے اور وہ کیا فرائض ہیں جو اس پر عائد ہوتے ہیں۔

دنیا میں ہر فن کے ماہر ہوتے ہیں اس فن سے ان کو دلچسپی ہوتی ہے اور ان کا نشو ونما ابتداء سے ایسا ہوتا ہے جو اس فن کے مناسب ہوتا ہے۔ انسانیت کی تشخیص، انسانیت کا بناؤ سنوار یہ بھی ایک فن ہے۔ ہر ملک اور ہر قوم میں اس کے ماہر گذرے ہیں۔ انہوں نے انسان کو پہچانا، انسانیت کو پہچانا، اسکی خوبیوں اور خرابیوں کو معلوم کیا۔ خوبیوں کو بڑھانے اور خرابیوں کو دُور کرنے کی ترکیبیں بتائیں، نسخے ایجاد کئے۔ مذہب کی زبان میں ان کو نبی کہتے ہیں۔ ہم ان سب کا احترام کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ ہم ان سے دریافت کریں گے کہ عمل کا تعلق عمل کرنے والے سے کیا ہوتا ہے، وہ ختم ہونے والی چیز ہے یا پتھر کی لکیر ہے جو جوہر انسان پر کندہ ہوجاتی ہے، کیا عمل کا بھی ایک عالَم ہے اور جس طرح ہمارے الفاظ فضا میں پھیلے ہوئے ہیں اور اپنا وجود رکھتے ہیں یہ عمل بھی اپنی خصوصیات اور تاثرات کے ساتھ اپنا وجود رکھتے ہیں۔

روحانیت کے ماہرین اور شرافت وانسانیت کے ان فن کاروں نے جن کو نبی کہا جاتا ہے بالاتفاق ایک ہی بات بتائی تھی، مگر ان کی بتائی ہوئی باتیں لوگوں کو یاد نہیں رہیں، کیونکہ انہوں نے ان کو اپنے زمانہ میں لکھوایا نہیں تھا اور اگر کسی نے کچھ لکھوادیا تھا تو وہ گم ہوگیا، یا جس زبان میں لکھوایا ہوگا وہ زبان محفوظ نہیں رہی۔ ہاں ایک چیز بالکل محفوظ ہے، اس کو اسی وقت لکھوادیا گیا تھا، جب اس کا نزول ہوا تھا۔ لکھوانے کے ساتھ یاد بھی کرادیا تھا، چنانچہ وہ ابتداء سے لے کر آج تک صحیفوں اور تحریروں میں بھی محفوظ چلا آتا ہے اور لاکھوں کروڑوں انسانوں کے سینوں میں بھی اُسی طرح محفوظ ہے۔ یہ قرآن حکیم ہے جو صرف جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا مجموعہ نہیں، بلکہ ان تمام مقدس انسانوں کی تعلیمات کا محفوظ مجموعہ ہے جو روحانیت کے ماہر اور انسانیت کے معلّم بن کر دنیا میں آئے، وہ دنیا سے الگ رہتے ہوئے دنیا والوں کی اصلاح کرتے رہے، نوع انسان کی درستی اور انسانیت کے سدھار میں انہوں نے اپنی پاک زندگیاں صرف کیں، ان مقدس اور پاک بزرگوں نے جو بتایا وہ عقل سے بعید بات نہیں بلکہ رات دن کا ہمارا مشاہدہ ہے، ہم دیکھتے ہیں، تجربہ کرتے ہیں، مگر غور نہیں کرتے۔

مشاہدہ —— اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ انسان جس طرح مختلف عناصر کا مجموعہ ہے، اسی طرح اس

کے ذہن اور دماغ کا چھوٹا سا سوٹ کیس یا فائل بکس بہت سی صلاحیتوں کا سیف و خزانہ ہے، ہر ایک صلاحیت اپنے اپنے خانہ میں سجی ہوئی ہے۔ انسان جس چیز کو بڑھانا چاہے بڑھا سکتا ہے، بڑھانے والی چیز پریکٹس ہے (مشق یعنی مسلسل عمل) مشق سے پہلے تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے، مگر تعلیم صلاحیت کو بڑھاتی نہیں اس کو بیدار کرتی ہے۔ اور اس کا رخ اور راستہ مقرر کر دیتی ہے۔

ریت اور کنکریوں سے کھیلنے والا بچہ، بڑا ہوا تو وہ طبیب حاذق یا ڈاکٹر تھا۔ اس کی فطرت میں ایک صلاحیت تھی۔ تعلیم نے اس کو بیدار کیا، چمکایا، اس کو طبابت اور ڈاکٹری کے راستہ پر لگایا۔ اور رات دن کی مشق اسکی صلاحیت کو پختہ کر دیتی ہے مرض کی تشخیص کر کے وہ نسخہ تجویز کرتا ہے، مریض شفایاب ہوتا ہے اور اس کا تجربہ بڑھتا ہے، اور صلاحیت پختہ ہوتی ہے، یہاں تک کہ طبابت اس کا مزاج بن جاتی ہے۔

رب اور پروردگار کا اعتراف فطری جوہر ہے۔ تعلیم نے اس کو روشن کیا۔ پھر تعلیم پر اس نے عمل کیا تو یاد خدا اس کی طبیعت ثانیہ بن گئی اور وہ ایسا ہو گیا کہ دنیا والے اس کو دیکھتے ہیں تو ان کو بھی خدا یاد آجاتا ہے۔ جلاد کو جب پہلی مرتبہ قتل کرنے یا پھانسی پر چڑھانے کا حکم دیا گیا، اس کو بہت جھجک ہوئی، گویا خود اس کو پھانسی دی جا رہی ہے، لیکن جب یہ عمل بار بار کیا گیا تو جھجک کے بجائے اس کو مزا آنے لگا، اس کی طبیعت جلاد بن گئی اور اب اس کی صورت دیکھتے ہیں تو خوف معلوم ہوتا ہے۔

دنیا کے ان تمام مقدس بزرگوں نے جن کو نبی کہا جاتا ہے، یہی بتایا ہے کہ انسان کا کوئی عمل رائیگاں نہیں جاتا، وہ انسان کی صلاحیت پر اثر ڈالتا ہے اور اس کو اپنے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔ اچھے عمل کرنے والا انسان اچھا ہو جاتا ہے، بُرے عمل کرنے والا انسان بُرا بن جاتا ہے۔ جیسا بوتا ہے ایسا ہی پھل پاتا ہے۔ ببول کے بیج بو کر انگور کے خوشوں کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

گندم از گندم بروید جو ز جو
از مکافاتِ عمل غافل مشو

عمل اور روح کا رابطہ۔ ماہرینِ روحانیت کا فیصلہ

ہم شکر گزار ہیں سائنسِ جدید کے، اس نے مشاہدہ کرا دیا کہ ہماری زبان اور ہمارے ہونٹوں کا عمل فنا نہیں ہوتا یعنی جو الفاظ زبان اور ہونٹوں کی حرکت سے صادر ہوتے ہیں وہ فنا نہیں ہوتے، ان کا وجود قائم رہتا ہے۔ ٹیلی ویژن نے مشاہدہ کرا دیا کہ ہاتھ پاؤں کے عمل اور ان کی حرکت بھی اپنا وجود رکھتی ہے۔

اس وجود کا عکس بھی پڑتا ہے ۔ پس ہمارا یہ خیال یقیناً غلط ہے کہ عمل کا اپنا وجود کچھ نہیں ہے۔ بلکہ تحقیق یہ ہے کہ عمل اپنا ایک وجود رکھتا ہے۔

محققین سائنس یہ نہیں بتا سکے کہ اس وجود کا تعلق جس طرح فضا سے ہے آیا ہماری باطنی قوتوں اور ہماری اس حقیقت سے بھی اس کا کچھ تعلق ہے جس کو روحانیت سے تعبیر کیا جاتا ہے جو موت پر فنا نہیں ہوتی بلکہ ایک نئی زندگی اختیار کر لیتی ہے ۔

سائنس کے اصحاب تحقیق شاید اس سوال کا جواب آئندہ بھی نہ دے سکیں، کیونکہ روح، روحانیت اور مابعد الموت ان کا موضوع نہیں ہے۔ ان کا موضوع وہ مادہ ہے جو عالم مشاہدہ میں اس وقت موجود ہے، لیکن ہمارا وجدان شہادت دیتا ہے کہ عمل کے وجود کا تعلق ہماری روحانیت سے یقیناً ہے اور بہت گہرا تعلق ہے۔ ہمارا عمل خود ہمارے اندر کبھی مسرت اور خوشی کی لہر دوڑا دیتا ہے اور ہماری روح کو مطمئن کر دیتا ہے۔ اور کبھی ہمارا عمل ہمارے اندر غم، پریشانی اور اضطراب و بے چینی کا طوفان برپا کر دیتا ہے ۔

اگر عمل کا تعلق روحانیت اور ان معنوی قوتوں سے نہیں ہے جو ہمارے اندر موجود ہیں تو پھر اس اضطراب و بے چینی یا سکون اور اطمینان کی وجہ کیا ہے ؟ اور ایسا کیوں ہوتا ہے کہ کسی عمل پر ہم مسرور اور مطمئن ہو جاتے ہیں اور کسی پر ہم پچھتاتے اور غمگین ہوتے ہیں یہاں تک کہ بیمار پڑ جاتے ہیں ۔

روحانیت کے وہ ماہر جن کی پیدائش ہی اس لئے ہوتی ہے کہ وہ روحانیت کی باتیں بتائیں، چنانچہ شروع ہی سے ان پر روحانیت کا غلبہ یہاں تک رہا کہ کبھی ان سے روحانیت اور سچائی اور اعلیٰ اخلاق کے خلاف کوئی فعل سرزد نہیں ہوا جن کی فطری بیداری اور قدرتی فکر و بصیرت کا یہ عالم رہا کہ کبھی کسی نے کسی کالج یا یونیورسٹی میں تو کیا کسی مکتب اور پرائمری اسکول میں بھی تعلیم نہیں پائی اور اس کے باوجود انہوں نے نوع انسان کو وہ سبق دیئے کہ ان کی بنیاد پر اعلیٰ اخلاق، شریفانہ کردار، انسانیت کی فلاح و بہبود اور امن عالم کے بنیادی اصول مرتّب کئے گئے ۔ جن کو اقوامِ عالم نے ضابطۂ حیات بنایا اور دنیا کے دانشوروں نے ان سے ہر طرح کے قانون اخذ کئے ۔ یہ اعلیٰ اخلاق و کردار کے حامل، روحانیت کے اعلیٰ ترین ماہر جن کو نبی کہا جاتا ہے وہ بہت پہلے سے بلکہ ہمیشہ سے یہی بتاتے رہے ہیں کہ ہر عمل ایک وجود رکھتا ہے، اس کی خاصیتیں ہوتی ہیں اور

اس کے اثرات ہوتے ہیں جو عمل کرنے والے کی روحانیت سے پیوست ہو جاتے ہیں۔

ہمارے وجدان کی شہادت یہ ہے کہ عمل کی طرح ہماری خصلتوں کا بھی وجود ہے اسی لئے ان کے اثرات چہرے پر نمایا ہوتے ہیں۔ رحمدل کا چہرہ اس کے درد دل کی شہادت دیتا ہے، جفاکار اور سنگدل کو آپ اس کے چہرے سے پہچان لیتے ہیں۔ اگر وفا اور جفا کا کوئی اپنا وجود نہیں ہے تو چہرے پر یہ آثار کیسے ہیں؟

اسی اصول کو اور آگے بڑھائیے، بخل اور سخاوت۔ فطرت انسان کی دو خصلتیں یا دو وصف ہیں، ان کی کچھ خصوصیات ہیں کچھ لوازم و تاثیرات ہیں۔ بخل کے لئے حرص، طمع، تنگ نظری، خود غرضی، بُزدلی، بے رحمی اور سنگ دِلی لازمی صفات ہیں جن کے نتیجہ میں ذخیرہ اندوزی، چور بازاری، رشوت، خیانت اور سُود جیسے زہریلے جراثیم پیدا ہوتے ہیں جو عوام کی خوشحالی کو ڈستے ہیں اور ان میں بے اطمینانی اور پریشان حالی کا زہر پھیلا دیتے ہیں۔

بخل کے مقابلہ پر سخاوت ہے جو دِل کی بہادری اور حوصلہ کی بلندی چاہتی ہے، طبیعت میں بے نیازی پیدا کرتی ہے، دوسروں کی ضرورتوں کا احساس ان کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھنا سخاوت اور جود و کرم کی اصل روح ہے، یہ روح کارفرما ہوتی ہے تو ہمدردی، غمخواری، رحم اور خدمت خلق کے جوہر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ یعنی انسانیت کا جوبن نکھرتا ہے، شرافت کا جھنڈا بلند ہوتا ہے میل ملاپ اور محبت کی فضا ہموار ہوتی ہے۔ سخاوت اگر کارفرما ہو تو طبقاتی جنگ کی نوبت نہیں آتی، کیونکہ دولتمند طبقہ ہمدرد و غمگسار ہوتا ہے اور غریب دنادار اس کے وفادار و جاں نثار ہوتے ہیں اور اس طرح ایک ایسا نظم و ضبط قائم ہو جاتا ہے جو فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہوتا ہے جو معاشرہ اور سماج کو اطمینان کی دولت بخشتا ہے۔ جس میں ایک دوسرے سے نفرت اور بغض نہیں بلکہ محبت اور باہمی اعتماد کی نعمت میسّر آتی ہے اور جب محبت اور اعتماد و تعاون کی کلیاں چٹختی ہیں تو معاشرہ اور سماج، رواداری اور شریفانہ اخلاق کا گلدستہ بن جاتا ہے۔ ہر ایک مذہب اسی تہذیب کی حمایت کرتا ہے اور یہی تہذیب بہیمیت اور حیوانیت کو کچلتی ہے اور شرافت و آدمیت کو سربلند کرتی ہے، جس سے رب العالمین کی نیابت و خلافت کی صحیح تصویر سامنے آتی ہے اور دُنیائے پُرمحن جنت نشان بن جاتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام اس عالمِ مشاہدہ (کائنات) کے پس منظر سے بھی واقف ہوتے ہیں اور اس کا مستقبل بھی ان کی دقیقہ رس نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔ جماعت انبیاء کے قائدِ اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل و کردار اور ان کی تاثیرات و خصوصیت کے فلسفہ کو سامنے رکھ کر ہمیں آگاہ کیا ہے کہ جس طرح بخل کے نتائج یعنی ذخیرہ اندوزی، افراطِ زر کی ہوس اور سُود وغیرہ انسانوں کی خوشحالی کو ڈستے ہیں تو اس کا اثر یہی ہوگا کہ وہ سرمایہ جو بخل کا معمل ہے خود ایک اژدھا بن جائے گا جو صاحبِ دولت کے گلے کا طوق بن کر اس کی بانچھیں پکڑ لے گا اور کہے گا کہ مَیں ہوں تیرا مال، مَیں ہوں تیری دولت۔

پچھلے برسوں میں جب چین نے ایک ایٹم بم کا تجربہ کیا تھا تو کروڑوں اربوں انسانوں میں صرف چند ہی افراد تھے جن کو یہ مہارت حاصل تھی کہ انہوں نے اس ریڈیائی خاک کو محسوس کر لیا تھا جس کے متعدی اثرات انسان کی ہڈیوں تک پہنچ سکتے ہیں اور ان میں کینسر پیدا کر سکتے ہیں۔ ہم نے ان کی تکذیب نہیں کی، بلکہ ان کا شکریہ ادا کیا۔ تو کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ ہم روحانیت کے ان مقدس ماہرین کا شکریہ ادا کریں جنہوں نے ہمیں بخل کی اس تاثیر سے آگاہ کیا اور ہمیں متنبہ کر دیا کہ یہ سنہرا روپہلا سرمایہ اژدھا بن جائے گا اگر اس پر بخل کا عمل ہوتا رہا۔

سرمایہ ختم کیا جائے یا بُخل

اسلام اس حقیقت سے آنکھ بند نہیں کرتا کہ دولت صرف ایک معمل یا ایک آلہ ہے، اصل چیز دولت نہیں ہے بلکہ عمل اصل ہے۔ چشمۂ شیریں کے پانی سے آپ لالہ زار کو شاداب کر کے سنبل و ریحان کے تختے اور خیابان بھی تیار کر سکتے ہیں اور خارستان کے خاردار جھاڑیوں کو بھی دھاردار اور نوکیلے بنا سکتے ہیں۔ نتیجہ کا تعلق آپ کے عمل سے ہے۔ معمل یعنی چشمہ کے پانی سے نہیں ہے۔ بس اصلاح یہ نہیں ہے کہ آپ چشمہ کو خشک کر دیں یا اس کے پانی کو لالہ زار کے بجائے کسی خندق میں بہا دیں۔ اصلاح یہ ہے کہ کانٹوں سے نفرت دلائیں اور گل و غنچہ کی محبت بڑھائیں۔ اسلام اصلاح کی یہی صورت اختیار کرتا ہے، وہ جو دو سخا کے چمن و گلشن کو اتنا بڑھاتا ہے کہ خارستانِ بخل ختم ورنہ زیادہ سے زیادہ تنگ ہو جائے۔ نہ صرف اسلام بلکہ ایشیائی تہذیب کا اصولی سبق یہی ہے وہ سخاوت اور جود و کرم کو انسانیت کا سب سے بہتر جوہر اور بخل کو لعنت اور سراسر لعنت

قرار دیتی ہے۔

سخاوت مس عیب را کیمیاست
سخاوت ہمہ دردہا را دواست (شیخ سعدیؒ)
سخیاں زاموال برمے خورند
بخیلاں غم سیم وزرمے خورند
نیرزد بخیل آن کہ نامش بری
وگر روزگارش کند چاکری (شیخ سعدیؒ)

بُخل اور نفع اندوزی کا مقام اور راستہ

لیکن قرآن حکیم جو خالق فطرت کا کلام پاک ہے وہ اسی پر قناعت نہیں کرتا کہ بُخل کی مذمت اور سخاوت کی تعریف کر دے۔ وہ جس طرح سخاوت و بخل کی خصوصیات سے واقف ہے وہ انسانی نفسیات سے بھی باخبر ہے، صرف منفی پہلو پر اس کی نظر نہیں رہتی وہ مثبت کے اثبات کو سامنے لاتا ہے اور اسی کو بڑھانے اور مضبوط کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ کوئی تعلیم جس کی بنیاد حقائق پر ہو اس کو نظر انداز نہیں کر سکتی کہ بخل اور ذاتی مفاد کی حرص و طمع اگرچہ قبیح اور قابلِ نفرت ہے، مگر انسان کی فطرت میں لامحالہ داخل ہے اور اس کا جز ہے۔ اسی کا تقاضا ہوتا ہے کہ انسان سخت سے سخت محنت کرتا ہے اور منفعت حاصل کرتا ہے۔ اگر ذاتی مفاد کے حرص کی جڑیں بالکل اکھاڑ دی جائیں تو محنت و مشقّت کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا اور انسانیت ترقی کی تمام منزلوں سے محروم ہو جائے گی جو تعلیم انسانی فطرت کی اس خصوصیت کو نظر انداز کر کے حرص اور ذاتی مفاد کے شوق کو جڑ سے اکھاڑ دیتی ہے اس کو تعلیمِ فطرت اور اس دین کو دینِ فطرت نہیں کہا جا سکتا جو اس طرح کی تعلیم کا معلّم ہو۔ اسلام ذاتی مفاد کے طبعی شوق کو ختم نہیں کرتا، البتہ اس کو حقیقت پسند بناتا ہے۔

ذاتی مفاد کا شوق دولت کی صرف حفاظت پر ہی آمادہ نہیں کرتا بلکہ اس کی عمر کو زیادہ سے زیادہ طویل کرنا چاہتا ہے اور اس کی آخری منشا یہ ہوتی ہے کہ اس کی دولت ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے وہ ایک لازوال نعمت بن جائے جس کو زمانہ کی کوئی گردش فنا نہ کر سکے۔

قرآن حکیم اسی نقطہ کو سامنے رکھتا ہے اور فناء و بقاء کے فلسفہ کو ذہن نشیں کرا کے اس حقیقت کا یقین پیدا کراتا ہے کہ دولت کا بقا تجوریوں میں بند کرنے اور زمین دوز خزانوں میں دفن کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے بقاء کی صورت یہ ہے کہ اس پر "انفاق فی سبیل اللہ" کا عمل زیادہ سے زیادہ کیا جائے۔ بینک بیلنس آپ کا کتنا ہی زیادہ ہو اس کی بقاء اور بچت زیادہ سے زیادہ اس وقت تک ہے جب تک آپ میں لکھنے پڑھنے یا بولنے چالنے کی طاقت ہے۔

اس بچت کو آپ مابعد الموت کی زندگی کے لئے بھی محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو اس کو بینک کے کھاتہ میں نہیں بلکہ اپنے نامۂ اعمال کے رجسٹر میں مدخیر کے کھاتہ میں جمع کرائیے۔ جو فنڈ تمہاری حفاظت میں ہے اس کو بقاء نہیں، بقاء اس کو ہے جو محافظ حقیقی کی حفاظت اور اس کی نگرانی میں ہے۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ط (سورہ نحل)

ترجمہ: جو تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے یہاں ہے وہ باقی ہے وہ دائم و لازوال ہے۔

یہ ہے فناء میں بقاء کا فلسفہ۔

آپ بینک میں رقم ڈیپازٹ کراتے ہیں کہ رقم محفوظ رہے اور اس کا انٹرسٹ (سود) آپ کو ملتا رہے، لیکن یہ ڈیپازٹ رقم آپ کی کب تک ہے؟ اپنی دانست میں آپ نے بڑی دور اندیشی سے کام لیا کہ زندگی کا بیمہ کرا دیا، مگر کیا یہ بیمہ قضا و قدر کے فیصلہ میں کوئی تبدیلی کر سکتا ہے؟

عدالت نے کسی کو دیوالیہ قرار دے دیا ہے تو وہ کسی وقت دولتمند بھی بن سکتا ہے، لیکن جس کو قضاء و قدر نے دیوالیہ قرار دیدیا جو دنیا سے خالی ہاتھ رخصت ہوا وہ کبھی دولت مند نہیں بن سکتا، البتہ اگر آپ نے قرآن حکیم کے اصول پر اپنی زندگی کا بیمہ کرالیا ہے تو اب آپ کی دولت پر کبھی زوال نہیں آسکتا یہ دولت دن بدن بڑھتی ہی رہے گی۔

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا الخ (سورۂ مزمل)

ترجمہ:۔ اور جو آگے بھیجو گے اپنے واسطے کوئی نیکی اس کو پاؤ گے اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ۔

ڈیپازٹ رقم پر آپ کو چار پانچ فیصدی سود ملتا ہے، لیکن جو رقم آپ فی سبیل اللہ کے بینک میں جمع کراتے ہیں اس کے نفع کی کوئی انتہاء نہیں ہے۔

قرآن حکیم یہاں بھی فلسفۂ ارتقاء جاری کرتا ہے۔ قرآن حکیم کی وضاحت یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کے بینک میں جو رقم جمع کی جاتی ہے اس کو صرف کھاتہ میں درج نہیں کر دیا جاتا بلکہ ایسا ہوتا ہے کہ اس کو تخم بنا کر ایک زرخیز کشت زار میں بو بھی دیا جاتا ہے۔ زرخیز زمین میں گیہوں کی ایک نال پر سات بالیں آجاتی ہیں اور ایک ایک بال (خوشہ) میں سو سو دانے ہوتے ہیں، تو ایک دانہ سے سات سو دانے ہو جاتے ہیں، یعنی انٹرسٹ (نفع) ستر ہزار فی صد ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اس سے بھی زیادہ بڑھا دیتا ہے۔ (سورۂ بقرہ)

لیکن شرط یہ ہے کہ دولت مند جو امداد کرے اس میں خود غرضی کا شائبہ تک نہ ہو۔ یہاں تک کہ اس کو کبھی زبان پر بھی نہ لائے۔ جس سے غریب اور ضرورت مند کو کمتری کا احساس ہو یا کوئی ذہنی اور دماغی کوفت ہو۔

قرآن حکیم نے تنبیہہ کر دی ہے کہ۔

جو شخص اپنا کوئی ذاتی مفاد سامنے رکھتا ہے یا احسان جتانے کے لئے اس کو زبان پر لاتا ہے وہ اپنے عمل کو خود برباد کر دیتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے اس مٹی میں بیج بو دیا جو کسی چٹان پر جم گئی تھی بارانِ رحمت کی بوندیں جو کشت زار میں تخم کو نشوونما بخشتی ہیں ان کا عمل یہاں یہ ہوتا ہے کہ وہ چٹان کے اوپر سے مٹی بہا دیتی ہیں ساتھ ساتھ یہ بیج بھی بہہ جاتے ہیں اور صرف چٹان سامنے رہ جاتی ہے۔ (سورہ بقرہ)

خلاصہ اور موازنہ

گفتگو بہت طویل ہو گئی۔ اب اس کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیے اور دنیا کے دوسرے نظاموں اور ازموں سے موازنہ بھی کیجئے۔

(۱) سرمایہ داری کا دشمن اسلام بھی ہے۔ اس کو سرمایہ داری سے انتہائی نفرت ہے وہ اس کو ختم کرتا ہے اور اسلام کے اصول پر جو نظام قائم ہو اس کا پہلا فرض قرار دیتا ہے کہ وہ سرمایہ داری کو ختم کر دے، مگر وہ سرمایہ داری کے خاتمہ کو پورے نظام حیات کا ایک جزء قرار دیتا ہے۔ اس کا یہ تصور نہیں ہے

کہ انسانی زندگی کی فلاح و بہبود اور اس کی کامیابی صرف سرمایہ داری کے خاتمہ میں منحصر ہے خواہ وہ کسی صورت سے ہو۔

(۲) اسلام کو جس طرح سرمایہ داری سے نفرت ہے اس کو معاشرہ اور سماج کی دوسری برائیوں سے بھی نفرت ہے اسی طرح وہ تخریب اور فتنہ و فساد کو بھی گوارا نہیں کرتا۔ وہ جس طرح مزدور اور غریب کے حق میں ظلم کو حرام اور ناقابلِ برداشت جرم قرار دیتا ہے اسی طرح ان کے حق میں بھی کسی طرح کا ظلم روا نہیں رکھتا جن کو سرمایہ دار یا دولت مند کہا جاتا ہے۔ وہ ہر ایک کے حق میں عدل اور انصاف کو ضروری قرار دیتا ہے۔

(۳) اور ایسے تمام پروگرام اسلام کی نظر میں ناقابل برداشت ہیں جن سے امیر اور غریب یا سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان طبقاتی جنگ یا باہمی نفرت پیدا ہو۔

(۴) وہ انسانیت کے رشتہ کو سامنے رکھ کر سب سے پہلے دولت مند کے ان جذبات کو بیدار کرتا ہے جن کو انسانیت کی خصوصیات قرار دیا جاتا ہے۔ دوسروں کی ضرورت کو محسوس کرنا اور اپنی ضرورت اور کم از کم اپنے مفاد پر دوسرے کی ضرورت کو مقدم رکھنا اس کو "ایثار" کہا جاتا ہے۔ حیات اجتماعی کی فلاح و بہبود اور ترقی کے سلسلہ میں جذبہ "ایثار" بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام سب سے پہلے اس جذبہ کو پیدا کرتا ہے' اس کے آداب و لوازمات کی تعلیم دیتا ہے۔

(۵) انسان کو خود اپنی حقیقت نیز حیات بعد الموت اور فناء و بقاء کے فلسفہ کو ذہن نشین کرا کر سرمایہ دار اور دولتمند کو یقین دلاتا ہے کہ غریب اور ضرورت مند کی امداد خود اس کی اپنی امداد ہے۔

ضرورت مند کی امداد کر کے یا قومی ضرورتوں میں رقم خرچ کر کے اس نے احسان ضرور کیا ہے، مگر اس کا نفع دوسروں سے زیادہ خود اس کو پہنچ رہا ہے۔ اگر بخل کر رہا ہے تو خود اپنے حق میں بخل کر رہا ہے۔ قرآن حکیم کی چند آیتوں کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ غور فرمائیے۔

هَآ اَنتُم هٰٓؤُلَاءِ الآیۃ (سورۂ محمد)

دیکھو (سنتے ہو) تم کو بلایا جا رہا ہے کہ خرچ کرو اللہ کی راہ میں پھر تم میں سے کچھ ہیں کہ بخل کرتے ہیں (نہیں دیتے) تو یاد رکھو جو بخل کر رہا ہے وہ بخل کر رہا ہے خود اپنے آپ سے اللہ بے نیاز ہے ضرورت مند اور محتاج خود تم ہی ہو۔ (قومی اور ملّی ضرورتیں خود تمہاری

ضرورتیں ہیں جن کا مفاد خود تمہیں پہنچے گا خدا کو اس کی حاجت نہیں)

(۶) بخل، خود غرضی، حرص، طمع، حسد، کینہ اور بغض کا تعلق اگرچہ اخلاق سے ہے، لیکن نظام اقتصادی اور حیات اجتماعی پر ان کا اثر دُور رس ہوتا ہے۔ اسلام ان سب کو حرام قرار دیتا ہے۔ یہ علتیں ختم کی جائیں اور ان کی جگہ وسعت نظر، فراخدلی، باہمی تعاون نوع انسان کی ہمدردی کے جذبات اسی طرح ابھارے جائیں کہ چور بازاری، رشوت، خیانت وغیرہ کے انسداد کے لئے قانون کی ضرورت نہ ہو بلکہ خود دولت مند اور صاحبِ اقتدار کے اندر وہ جذبہ پیدا ہو جو افراطِ زر اور ناجائز نفع اندوزی کی امنگ ختم کر دے۔ اسلام یہ لائحہ عمل اختیار کرتا ہے اور اسی کی تعلیم دیتا ہے۔

(۷) خدا کا تصور اور پاداشِ عمل کا یقین اگرچہ کسی سیاسی یا اقتصادی نظام کا جُزء نہیں بن سکتا، لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ اذعان و یقین کی کیفیت درست اور استوار نہ ہو تو قانون کی افادیت بھی مکمل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اسلام سب سے پہلے نہاں خانۂ دِل کو تصور خدا سے منور کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ وہ جرائم پیشہ کہلاتے ہیں جو پولیس کے خوف سے جرم نہیں کرتے اور نفاق برتتے ہیں، ظاہر و باطن ہر ایک حالت میں جرائم سے وہ بچتا ہے جو خدا سے ڈرتا ہے۔

دِلوں میں خدا کا خوف ہو، سیاسی اور اقتصادی نظام کا رشتہ اعلیٰ اخلاق سے مربوط ہو تو وہ سماج وجود میں آسکتا ہے جس کے لئے انسانیت بے تاب ہے اور ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی ہے۔

اب آپ دنیا کے دوسرے نظاموں پر نظر ڈالئے جو رائج الوقت ہیں وہاں اخلاق کا کوئی سوال نہیں سماج کی اصلاح شور بے ہنگام ہے۔ دل خوفِ خدا سے خالی، تصور خدا سے بغاوت، جہاں انٹی گاڈ، خلاف خدا (معاذاللہ) انجمنیں قائم کی جائیں وہاں نتیجہ یہی ہو گا کہ درندگی کا بول بالا ہو گا۔ انسانیت ختم ہو گی اور تقسیم کرنے والے بھیڑیئے ہوں گے اگرچہ ان کی صورتیں انسانوں جیسی ہوں گی۔

المکہ پریس

خلیق و دیانتدار عملہ
بہترین و بارعایت طباعت

۵۔ شارع فاطمہ جناح، لاہور

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی

حُسنِ ادب

بڑوں کا ادب واحترام اور اساتذہ وشیوخ کا اکرام وخدمت گزاری ہمیشہ سے اکابرِ دین وعلمائے سلف کا امتیازی وصف رہا ہے۔ ہمارے لئے ہمارے اکابر واسلاف کی روش قابلِ تقلید ہے، اسی میں ہماری عزت وسربلندی ہے۔ ہمارے مذہب نے جس طرح عقائد وعبادات اور معاملات واخلاق کے سبق ہم کو بتائے ہیں، اسی طرح اس نے ہم کو آداب بھی سکھائے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عمدہ روش اچھے انداز اور میانہ روی نبوت کے پچیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے (یعنی یہ چیزیں انبیاء علیہم السلام کے عادات وخصائل میں سے ہیں) اسی لئے علماء نے فرمایا کہ ادب ووقار، فضل وحیاء اور حُسن سیرت سیکھنا شرعاً وعرفاً مسنون ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی آداب کی تھوڑی سی تفصیل اور اس کے ساتھ ساتھ استاد اور عالم کا حق اور ان کے اجلال واحترام کے احکام کا بھی ذکر کر دیا جائے۔

ابوداؤد میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بوڑھے مسلمان اور عالم وحافظِ قرآن اور بادشاہِ عادل کی عزت کرنا خدا کی تعظیم میں داخل ہے۔ "الآداب الشرعیہ" میں بروایت ابی امامہ یہ حدیث مرفوع منقول ہے کہ تین باتیں خدا کی تعظیم کی فرع ہیں۔ اسلام میں بڑھاپے کی عمر کو پہنچنے والے کی توقیر اور کتاب اللہ کے حامل کا احترام اور صاحبِ علم کا اکرام، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔

اسی کتاب میں حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ عالم اور بوڑھے اور بادشاہ اور باپ کی توقیر

سنت ہے۔

ایک اور حدیثِ مرفوع میں اہلِ علم کے استخفاف کو منافق کا کام بتایا گیا ہے (مجمع الزوائد) ایک اور حدیث میں ہے کہ جو ہم میں کے بڑے کی عزت نہ کرے اور چھوٹے پر رحم نہ کھائے اور عالم کا حق نہ پہچانے وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ہارون رشید نے میرے پاس آدمی بھیج کر سماعِ حدیث کی خواہش ظاہر کی۔ مَیں نے کہلا بھیجا کہ علم کے پاس لوگ آتے ہیں، وہ لوگوں کے پاس نہیں جایا کرتا۔ رشید یہ جواب پاکر خود آئے اور آکر میرے ساتھ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ مَیں نے کہا۔

یا امیرالمؤمنین ان من اجلال اجلال ذی الشیبۃ المسلم یعنی خدا کی تعظیم میں یہ بھی داخل ہے کہ بوڑھے مسلمان کا احترام کیا جائے۔ ہارون کھڑے ہوگئے اور میرے سامنے شاگردانہ انداز سے بیٹھے۔ ایک مدت کے بعد پھر مُلاقات ہُوئی، تو کہا۔ یا اباعبداللہ تواضعنا لعلمك فانتفعنا بہ۔ ہم نے آپ کے علم کے لیے تواضع کیا، تو ہم نے اس سے نفع اٹھایا (آداب الشرعیہ)

امام بیہقی نے روایت کی ہے کہ خلیفہ مہدی جب مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور امام مالک ان کے سلام کو گئے، تو مہدی نے اپنے دونوں لڑکوں ہادی اور رشید کو امام مالکؒ سے حدیث سننے کا حکم دیا۔ جب شاہزادوں نے امام مالک کو طلب کیا، توانہوں نے آنے سے انکار کر دیا۔ مہدی کو اس کی خبر ہوئی اور اس نے ناراضی ظاہر کی، تو امام نے فرمایا کہ العلم اھل ان یوقر ویوتی اھلہ یعنی علم اس بات کا حقدار ہے کہ اس کی توقیر کی جائے اور اس کے اہل کے پاس آیا جائے۔ اب مہدی نے خود لڑکوں کو امام صاحب کے پاس بھیجا۔

امام شعبی کا بیان ہے کہ حضرت زید بن ثابت سوار ہونے لگتے، تو حضرت ابن عباس رکاب تھام لیتے تھے اور کہتے تھے کہ علماء کے ساتھ ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ اسی طرح حضرتِ ابن عمر (صحابیؓ) نے مجاہد (تابعی) کی رکاب تھامی۔ امام لیث بن سعد امام زہری کی رکاب تھامتے تھے۔

مغیرہ کہتے ہیں کہ ابراہیم نخعی کی ہیبت ہم پر ایسی تھی جیسی بادشاہ کی ہوتی ہے۔ اور یہی حال امام مالک کے شاگردوں کا امام مالک کے ساتھ تھا۔

ربیع کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ کی نظر کے سامنے ان کی ہیبت کی وجہ سے مجھے کبھی پانی پینے کی جرأت

نہیں ہوئی۔ (الآداب الشرعیہ)

خلفِ احمر کا بیان ہے کہ امام احمدؒ میرے پاس ابوعوانہ کی مرویات سننے کے لیے آئے، مَیں نے بہت کوشش کی کہ ان کو بلند جگہ پر بٹھاؤں، مگر انہوں نے فرمایا کہ مَیں تو آپ کے سامنے ہی (شاگردوں کی جگہ پر) بیٹھوں گا، ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم جس سے علم حاصل کریں اس کے لئے تواضع کریں۔

حماد بن سلیمان کی ہمشیرہ عاتکہ کہتی ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ ہمارے گھر کی روئی دھنتے تھے، ہمارا دودھ اور ترکاری خریدتے تھے اور اسی طرح کے اور بہت سے کام کرتے تھے۔ اس واقعہ کو نقل کرکے علامہ کوثری فرماتے ہیں کہ طالب علمی میں اسلاف اس طرح خدمت گزاری کرتے تھے اور اسی سے انہوں نے علم کی برکت پائی۔

امام ابوعبید فرماتے ہیں کہ مَیں کبھی کسی محدث کے دروازہ پر حاضر ہُوا، تو اطلاع بھجوا کر داخلہ کی اجازت نہیں منگائی، بلکہ بیٹھا انتظار کرتا رہا تا آنکہ وُہ خود برآمد ہوئے۔ مَیں نے ہمیشہ قرآن پاک کی اس آیت سے جو ادب مستفاد ہوتا ہے اس پر نظر رکھی۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ یعنی کاش وہ لوگ صبر کرتے تا آنکہ آپ باہر نکلتے، تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔ (آداب شرعیہ)

صاحبِ ہدایہ فرماتے تھے کہ بخارا کے ایک بہت بڑے امام اپنے حلقۂ درس میں درس دے رہے تھے، مگر اثناء درس میں کبھی کبھی کھڑے ہو جاتے تھے جب اس کا سبب دریافت کیا گیا، تو فرمایا کہ میرے استاد کا لڑکا گلی میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے، کھیلتے کھیلتے وہ کبھی مسجد کے دروازے کے پاس بھی آجاتا ہے، تو مَیں اُس کے لیے بقصدِ تعظیم کھڑا ہو جاتا ہوں۔ (تعلیم المتعلم)

خلیفہ ہارون رشید نے اپنے لڑکے کو علم و ادب کی تعلیم کے لیے امام اصمعی کے سپرد کر دیا تھا۔ ایک دن اتفاقاً ہارون وہاں جا پہنچے۔ دیکھا کہ اصمعی اپنے پاؤں دھو رہے ہیں اور شاہزادہ پاؤں پر پانی ڈال رہا ہے۔ ہارون نے بڑی برہمی سے فرمایا کہ مَیں نے تو اس کو آپ کے پاس اس لیے بھیجا تھا کہ اس کو ادب سکھائیں گے۔ آپ نے شاہزادہ کو یہ حکم کیوں نہیں دیا کہ ایک ہاتھ سے پانی گرائے، اور دوسرے ہاتھ سے آپ کا پیر دھوئے۔

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔

مولانا حضرۃ پیر خورشید احمد مدظلہم

★ —— جناب محمد عثمان الوری

موجودہ دَور میں جبکہ تاریکی اور گمراہی چاروں طرف پھیلتی جارہی ہے، روحانیت اور علم و عرفان سے دنیا رفتہ رفتہ خالی ہوتی جارہی ہے، اہلِ اللہ کمیاب ہی نہیں بلکہ نایاب ہوتے جارہے ہیں، ایسے قحط الرجال کے دَور میں آج ہم مشاہیرِ امّت کے صحیح جانشینوں اور ہمارے دَور کا سرمایۂ سعادت بزرگوں میں سے ایک کی ذاتِ گرامی کا تذکرہ کررہے ہیں، ہماری مراد مرشدی حضرت مولانا پیر سیّد خورشید شاہ ہمدانی مدظلہٗ خلیفۂ اعظم شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کی ذاتِ گرامی ہے۔ آپ کے فیوض و برکات اور فیضان و عرفان سے طالبان علوم شریعۃ اور سالکان سلوک منزل طریقت طے کررہے ہیں اور آپ اس دَور میں علم و معرفت کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں۔ حضرت اقدس پیر صاحب موصوف شیخ الہندؒ سے بیعت اور شیخ الاسلامؒ کے خلیفۂ اعظم ہیں۔ آپ کو مولانا مدنیؒ کے ایک سو چھیاسٹھ خلفاء میں امتیازی مقام حاصل ہے۔ آپ ۱۲۹۰ھ میں کھوتکہ شاہ پور ضلع سرگودھا میں حسینی ہمدانی سادات کے ایک ایسے گھرانہ میں پیدا ہوئے جو علم و معرفت میں دُور دُور تک مشہور و معروف تھا۔ خاندانی نسبیت کے لحاظ سے آپ امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ کے اس خانوادۂ علم کے چشم و چراغ ہیں جس نے آٹھویں صدی ہجری میں برصغیر میں شمالی مغربی حصّوں میں علم و روحانیت کا پرچم سربلند رکھا۔ حضرت پیر صاحب موصوف کے جدِّ امجد سیّد علی ثانی ہمدانیؒ اپنے وقت کے ایک ممتاز شیخ طریقت تھے۔ جنکی روحانیّت اور رشد و ہدایت کا فیض جاری ہی رہا۔

اس خاندانی فضل و شرف کے ساتھ ساتھ عنایاتِ خداوندی نے حضرت پیر صاحب کو شروع ہی سے علمی اور روحانی کمال کے لیے منتخب فرمالیا تھا۔ شوق علم اور ذوق معرفت ابتداء ہی سے اپنائے رہے، اپنے زمانہ کے مشہور صلحاء اور اتقیاء کی توجّہ آپکے شاملِ حال رہی جنکی صحبت میں آپ نے ابتدائی تعلیم کے مراحل طے کیے۔ قرآن پاک کی تعلیم آپ نے میاں محمدؒ اور سید حیدر شاہ کے خلیفۂ خاص پیر محمد صالح شاہ صاحب

جلال پوری وغیرہ اساتذہ سے حاصل فرمائی، فارسی کی ابتدائی تعلیم ضلع گجرات اور قصبہ عبدالحکیم میں مولانا عطاء محمدؒ صاحب سے حاصل کی، اس کے بعد عربی شروع فرمائی اور درجہ وسطی کی کتب شرح جامی جلالین اور مشکوٰۃ شریف کی تعلیم چشتیاں (بہاولپور) میں مولانا عبدالرحیم سے حاصل کی۔ اس تعلیمی سلسلے میں آپ کچھ عرصہ جامعہ عباسیہ بہاولپور میں بھی مقیم رہے۔ اس کے بعد قصبہ عبدالحکیم (ملتان) میں درس نظامیؒ کی تکمیل کرکے علم حدیث کی تعلیم مکمل کرنے کے لیے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور امام حدیث استاذ العلماء حضرت شیخ الہندؒ کے درس حدیث میں شامل ہوگئے، دوران درس مولانا عبدالحق پاکپتنؒ، مولانا محمد اسمٰعیل بہاولپور، مولانا سید عبداللہ شاہ لدھیانوی اور مولانا سلطان محمود گجرات آپ کے رفقائے درس رہے تھے۔ جن میں ہر ایک اہلِ علم کے حلقوں میں ایک مقام رکھتا ہے۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ نے حضرت شیخ الہندؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت فرمائی۔ اس بیعت کے لیے آپ نے عبدالحکیم (ملتان) سے دیوبند کا سفر کیا۔ مولانا جلال الدین شاہ پوری آپ کے رفیقِ سفر اور حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں تقرب بیعت کا ذریعہ بنے۔ بیعت کے بعد حضرت شیخ الہندؒ سے آپ نے ابتدائی اوراد اور تسبیحات کی تعلیم و تلقین ذکر حاصل کی۔ ابھی منزل سلوک طے فرما رہے تھے کہ حضرت شیخ الہندؒ برطانوی حکومتِ ہند کے خلاف انقلابی تحریک کے سلسلے میں مالٹا میں نظر بند کر دیئے گئے۔ حضرتِ شیخؒ کی اسارتِ مالٹا کے زمانے میں تعلیم سلوک وارشاد کا سلسلہ قائم نہ رہ سکا، اس لیے ان کے حکم کے مطابق آپ نے سندھ کے مشہور روحانی بزرگ حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹیؒ کی طرف رجوع فرمایا۔ جو اپنے زمانہ میں سلسلۂ قادریہ کے جلیل القدر مشائخ میں شمار کیے جاتے تھے۔ مولانا امروٹیؒ نے حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت کی نسبت کا احترام کرتے ہوئے تجدید بیعت نہیں کی اور سابقہ بیعت کو برقرار رکھتے ہوئے تلقین وارشاد کا سلسلہ جاری رکھا، مولانا امروٹیؒ کے فیض صحبت سے استفادہ کے بعد جب ان کا وصال ہوگیا، تو طلب طریقت کیلیے آپ مولانا غلام محمد دین پوریؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے، لیکن حضرت دین پوریؒ نے جو ایک صاحب کشف بزرگ تھے، اشارۂ غیبی بابصیرت و روحانیت کی بناء پر آپ کو مولانا مدنیؒ (جو آپ کے مرشدِ اوّل حضرت شیخ الہندؒ کے جانشین بھی تھے ان) کی خدمت میں رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی، چنانچہ آپ شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے اپنے استاذ محترم کی سابقہ بیعت کے احترام میں تجدید بیعت کیئے بغیر ہی تربیت و تعلیم و تلقین وارشاد کی ذمہ داری قبول فرمائی اور کئی

سال تک آپ کو منازلِ سلوک طے کراتے رہے اور تکمیل سلوک کے بعد دیو بند طلب فرما کر اپنے دولت کدہ پر سلاسل اربعہ، چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ کی تحریری خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا۔ حضرتِ مدنیؒ اپنے اس علاقہ کے متوسلین کو پیر صاحب کی طرف متوجہ فرماتے اور آپ کی صحبت و تربیت سے استفادہ کا حکم فرماتے تھے۔ بعض اوقات حضرت پیر صاحب کے روحانی مراتب و مقامات عالیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تعریفی کلمات ارشاد فرمایا کرتے تھے، حضرت پیر صاحب کی عمر شریف اس وقت ایک سو چھ سال کے قریب ہے۔ آپ نے کئی مدارس اور مساجد بنوائیں، قصبہ عبدالحکیم (ملتان) میں مدرسہ محمود العلوم قائم فرمایا ہے۔ آپ کی طبیعت مبارکہ میں استغناء، استغراق، مجاہدہ، عزیمت حد درجہ کی موجود ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت پیر صاحب موصوف ہمارے لیے اس دور میں سرمایۂ سعادت ہیں۔ اللہ پاک ان کا سایہ عرصہ دراز تک قائم و دائم رکھے۔ اس وقت آپ نشتر ہسپتال ملتان میں داخل ہیں اور شدید علیل ہیں۔ جملہ مسلمانوں سے خصوصی دعاؤں کی پُرزور درخواست ہے۔

دعائے مغفرت کی درخواست

ہمارے ایک پُرخلوص معاون و دوست جناب چوہدری شفیق صاحب مع اہلیہ محترمہ امسال حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے، یہ ان کا پہلا ہی حج تھا، لیکن ان کے دل میں آرزو تھی کہ مدفن مدینہ منورہ کا قبرستان ہو۔ حج کے بعد زیارت روضۂ اطہر سے مشرف ہوئے، واپسی کی تاریخ ۱۲ر فروری تھی، لیکن ان کی طبیعت مختصر قیام سے سیر نہ ہوئی۔ اس لئے خود ہی ۲۸ر فروری کے طیارہ میں سیٹ بک کرالی، چند روز بعد ۱۲ر فروری کو علالت شروع ہوئی۔ مستشفی جلالۃ الملک میں داخل ہوئے، یہ ڈبل نمونیہ کا حملہ تھا۔ جس سے جانبر نہ ہو سکے۔ اور ۱۷ر فروری کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ اور جنت البقیع میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پائنتی مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وعفر لنا ولہٗ۔ آمین۔

ع پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔

ان کی وفات اگرچہ متعلقین کے لئے رہتی دنیا تک جُدائی کا پیام ہے، لیکن ایسی موت بڑی سعید موت ہے۔ اور حیات سعیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں مقام نصیب فرمائے اور پسماندگان کو توفیق اور اس صدمہ پر اجر کثیر مرحمت فرمائے۔ ـــــــــ

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ

خود شناسی

حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی ہندوستان کی معروف علمی و ادبی شخصیت ہیں، جولائی ۱۹۶۹ء میں آپ پاکستان تشریف لائے تھے۔ اس موقع پر چند گھنٹوں کے لئے جامعہ مدنیہ میں بھی تشریف لائے اور یہاں تقریر بھی فرمائی۔ آپ کی یہ تقریر کسی صاحب نے اُسی وقت قلمبند کی تھی۔ آج وہ صاحب پرانے کاغذات دیکھ رہے تھے کہ تقریر کا مسوّدہ ہاتھ لگا۔ جسے انہوں نے انوارِ مدینہ میں اشاعت کے لئے بھیج دیا۔ ہم تقریر کی افادیت اور اسکے نوٹ کنندہ کی خواہش کے پیشِ نظر اِسے شائع کر رہے ہیں ـــــ ادارہ ـــــ

یہ درس گاہ دیکھ کر جتنی مسرت ہوئی وہ الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے دوام بخشے اور تشنگانِ علمِ دین اس چشمے سے سیراب ہوتے رہیں۔

عزیز طلبہ!

آپ اگرچہ ایک شاندار عمارت میں موجود ہیں، مگر یہ انگریزی تعلیم کی یونیورسٹیوں کی عمارات سے بہرصورت کم ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں کی عمارتیں اعلیٰ اور عُمدہ ہوتی ہیں، وہاں کے طلبہ کو تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد نوکریاں اور اعلیٰ عہدے بھی ملتے ہیں، لیکن آپ کے پاس نہ تو اُن جیسی شاندار عمارت ہے اور نہ ہی آپ کو ان جیسا عیش و آرام میسّر ہے، مگر اس کے باوجود آپ نے اِس طرف آنا پسند کیا ہے اور اُدھر کا رُخ نہیں کیا۔ کبھی آپ نے اس پر غور بھی کیا ہے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ اِدھر کیوں آئے، اُدھر کیوں نہ گئے۔ آپ نے غریب اور گھٹیا زندگی کیونکر اختیار کی؟ یہ تکلیف آپ کا ہے کو برداشت کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ آپ نے سوچ سمجھ کر کیا ہے یا بلا سوچے سمجھے۔ اگر یہ بلا سوچے سمجھے ہے تب تو اس کی مثال اس شخص کی ہے جو چوراہے

پر کھڑا ہو اور بے مقصد کبھی اِدھر بھاگتا ہو اور کبھی اُدھر۔ ظاہر ہے کہ یہ گمراہ کُن اور عبث فعل ہے۔ اِس صورت میں کامیابی ناممکن ہے۔ اور اگر آپ نے اِس طرف ایک خاص مقصد اور خاص نصب العین کے تحت قدم اٹھایا ہے اور آپ نیک جذبے اور اخلاصِ عمل کے ساتھ اِدھر آئے ہیں تو یقین کیجئے کہ کامیابی آپ کے قدم چومے گی اور دنیا و عقبیٰ میں سرخروئی نصیب ہوگی۔

عزیزانِ محترم!

اگر آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہو کہ دوسروں کے کپڑے اچھے ہوتے ہیں ہمارے کپڑے اچھے نہیں ہوتے، ہم جس عمارت میں بس رہے ہیں وہ دیگر عمارات کی طرح مزین نہیں ہے اسلئے ہم دوسرے لوگوں سے کم ہیں، تو یہ آپکی بھول ہے اور آپ احساسِ کمتری میں مبتلا ہیں۔ آپ اپنے مرتبے و مقام سے واقف نہیں ہیں۔ اپنے مقام سے آگاہی حاصل کریں۔ قرآن میں ہے: ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانسٰھم انفسھم (یعنی ان کی طرح نہ ہو جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا، پھر اللہ نے بھی انکو ایسا کر دیا کہ وہ اپنے آپ ہی کو بھول گئے۔ (یعنی خود فراموشی میں مبتلا کر دیئے گئے۔)

معلوم ہوا کہ خود فراموشی ایک عذاب ہے۔ اس لئے خود فراموشی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے۔ اپنے آپ کو پہچاننے کی کوشش کرنی چاہیے۔

یاد رکھئے! معرفتِ نفس سب سے مقدم اور ضروری ہے۔ اپنے آپکو پہچانیں اور غور کریں کہ آپ کیا ہیں؟ جب آپ غور کریں گے اور سوچیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے آپ کا نصب العین حیات اور مقصدِ زندگی نہایت اعلیٰ ہے، کیونکہ آپ کا مقصد اور نصب العین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت دنیا کے لوگوں تک پہنچانا ہے۔ بلا شبہ اس مقصد سے بہتر مقصد اور نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں ہے۔

کنتم خیر امّۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروفِ وتنھون عن المنکر

یعنی تم سب امّتوں میں سے بہتر ہو، جو لوگوں کے لئے بھیجی گئی۔ اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور بُرے کاموں سے رد کتے ہو۔

عزیزانِ گرامی قدر!

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف حیثیتیں تھیں۔ آپ کمانڈر بھی تھے، قاضی اور حاکم

بھی تھے، غازی اور مجاہد بھی تھے۔ راعی بھی تھے۔ گویا آپ بے شمار صفات سے متصف تھے، اور یہ کوئی ناممکن امر نہیں ہے۔ ؎

ولیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

اللہ کے لئے کوئی اوپری بات نہیں کہ سارے عالم کو ایک ذات میں جمع کردے۔

لیکن آپؐ کی سب سے بڑی صفت، صفتِ علم تھی، کہ سب صفات اسی صفت (علم) سے متفرع ہوتی ہیں اور اس سب سے بڑی صفت کے امین اور حامل علماء اور طلبہ ہیں۔ یہ امانت آپ ہی کے پاس ہے۔ اور آپ حضور اکرم کے امین ہیں۔ آپ معلّم دین اور مبلغ دین ہیں۔ آپ اللہ کے رسول کے رسول ہیں۔ آپ کا کام "علم" لوگوں تک پہنچانا اور دُنیا کی اصلاح کرنا ہے۔ بیشک دنیا میں بڑے بڑے ڈاکٹر اور انجینئر موجود ہیں، تاجر اور صنعت کار بھی ہیں، حاکم اور بادشاہ بھی ہیں۔ لیکن آپ کا مقام سب سے اونچا ہے، کیونکہ آپ کا مقصدِ زندگی سب سے اعلیٰ ہے۔ اور وہ ہے علمِ دین کی تحصیل اور علمِ دین کی اشاعت، تو آپ سب سے اعلیٰ ہیں اور سب کی ہدایت اور اصلاح آپ کے ذمہ ہے۔ اِس بلند مقام اور اِس اونچے مرتبہ کا تقاضا ہے کہ آپ انتہائی محتاط رہیں، اپنے کردار و گفتار کو درست رکھیے اور اس عظیم بلندی کی لاج رکھیے۔

امام ابوحنیفہؒ ایک مرتبہ گزُر رہے تھے، بارش ہو رہی تھی، ایک بچّہ بھاگ رہا تھا، امام صاحب نے فرمایا آہستہ چلو، گر پڑو گے، بچّے نے جواب دیا کہ آپ سنبھل کر چلیں، کیونکہ آپ کے گِرنے سے پوُری قوم گِر پڑے گی، میرے گرنے سے تو کچھ بھی نہ ہوگا۔

طلبۂ عزیز!

آپ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد نہ تو کوئی نیا پیغمبر آئے گا اور نہ ہی کوئی کتاب نازل ہوگی اور ظاہر ہے کہ آپ کے بعد گمراہی بھی پھیلے گی، جب تک انسان، انسان ہے اس سے بار بار غلطیاں بھی سرزد ہوں گی، کوئی دَور گمراہی سے نہیں بچ سکتا، تو اس صورت میں اللہ کے اصول کے مطابق اصلاح کا کام کون کرے گا، گمراہ لوگوں کو کون صحیح راستہ پر لائے گا، اندھوں کو بینائی کون دے گا، لنگڑے کو پاؤں کون دے گا، ضعیفوں کو توانائی کون بخشے گا؟ یہ طلبہ کا طبقہ ہوگا، علماء کا طبقہ ہوگا۔

آپ کا کام ہے لوگوں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت پہنچانا، برائیوں کو روکنا، بھلائی کی تبلیغ کرنا، دنیا کو بتانا کہ معروف کیا ہے اور منکر کیا؟ آپ کو اس قابل بنایا گیا کہ آپ حضورؐ کے مشن کو جاری رکھیں اور دنیا کی رہنمائی کریں۔ تو آپ خاتم الانبیاء کے وارث اور امین ہیں۔ ان کے مشن کی تبلیغ و ترویج آپ کا کام ہے ـــــ اندازہ لگائیں آپ کا مقام کتنا اُونچا اور آپ کا مرتبہ کتنا بلند ہے۔ قرآن نے ان کو جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے ہیں خیرِ امّت فرمایا ہے، اِس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے۔

ہماری سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ ہم علماء اور طلبہ احساس کمتری میں مبتلا ہیں، ہمارے اسلاف کرام کا طریقہ یہ نہیں تھا۔ وہ احساسِ کمتری میں مبتلا نہ تھے۔ انہیں اپنے اعلیٰ نصب العین کی خبر تھی اسی لیے انہوں نے دنیا میں علمی و عملی عظیم انقلاب پیدا کر دیئے۔ انہی کے صدقے آج ہم مسلمان اور عالمِ دین ہیں۔

ہمارے بزرگوں نے انگریز کی اسلام دشمنی کو بھانپ لیا تھا۔ انہوں نے انگریز کے خلاف جہاد بھی کیا اور اسلام کو بچانے کی خاطر دینی مدارس بھی قائم کئے، جن سے عالم، محدّث، فقیہہ اور متقی و پرہیزگار لوگ پیدا ہوئے۔ آج دُنیا میں کہیں بھی علم کے اس قدر چشمے جاری نہیں ہیں جتنے کہ ہندوستان اور پاکستان میں ہیں۔ یہ محض ہمارے اسلاف کرام کی مساعیٔ جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ ان کی مساعی بار آور ہوئیں اور آج ہر طرف علم کے چشمے جاری ہیں۔ انہی کی برکت سے دین باقی ہے، دینی تعلیم باقی ہے۔ ہمارے بزرگوں نے لوگوں کی زندگی کو بدل دیا۔ انہوں نے بلاشک بہترین کام کئے۔ آج ہم کو نہ حسین احمدؒ نظر آتے ہیں اور نہ محمود حسنؒ، لیکن ان کی شمعیں ٹمٹماتی ہوئی نظر آرہی ہیں۔ آج ان کی جگہ کون پُر کرے گا، کون ان کی جگہ لے گا؟

مَیں بہت جگہ گیا ہُوں، بہت دفعہ غیر مسلم لوگوں سے مناظرہ و مباحثہ کی نوبت بھی آئی ہے، لیکن ان بزرگوں کی کفش برداری کی برکت سمجھتا ہوں کہ کہیں نہ مرعوب ہُوا ہوں نہ لاجواب۔

عزیز طلبہ!

آپ نے اپنی جوانی کے بہترین سال تحصیلِ علم میں صرف کئے۔ اگر اس کے بعد دنیا کمانی شروع کی، تو اللہ فرمائیگا کہ اگر تعلیم حاصل کر کے دُنیا ہی کمانی تھی تو انگریزی تعلیم حاصل کرتے۔ آپ کا کام یہ نہیں

کہ تکمیلِ علم کے بعد دنیا کمانے میں لگ جائیں۔ آپ کا کام یہ ہے کہ لوگوں کو ہدایت کریں۔

خدارا آپ اپنے مقام کو پہچان لیں۔ سوچیں کہ آپ کون ہیں؟ کیا کر رہے ہیں؟ کن کے امین ہیں؟ آپ کے اسلاف کیا تھے؟ اور انہوں نے کیا کیا؟

ہمّت کیجئے، خود کو کبھی کسی سے کمتر مت سمجھیے کہ آپ فخر الانبیاء کے وارث ہیں۔ آپ اس ذات کے نائب ہیں جن کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ شمعِ ہدایت بنیں اور جیسا کہ آپ کے اسلاف نے علم آپ تک پہنچا کر اپنا فرض پورا کیا، آپ بھی اسے اگلوں تک پہنچا کر اپنی ذمّہ داری پوری کریں۔ اپنی عزت اور بیچارگی پر ہرگز دل برداشتہ نہ ہوں۔

اپنے اندر استغناء اور بے نیازی پیدا کیجئے، کبھی ہمّت نہ ہاریئے۔ خدا کی امداد و نصرت آپ کے ساتھ رہے گی۔ وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین۔

یاد رکھئے!

خُدائے لم یزل کا دستِ قدرت تُو زباں تو ہے

تقریر کے بعد ایک صاحب نے عرض کیا کہ جناب پھر کب تشریف لائیں گے؟ تو فرمایا ؎

مہرباں ہو کے بُلا لو چاہو جس دم
مَیں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ نہ سکوں

○

• دینِ الٰہی اور اُس کا پس منظر: حضرت مجدّد الف ثانی کے تجدیدی کارناموں کو سمجھنے کیلئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔
قیمت، ۵۰/۷ روپے۔

• عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ: فقہ حنفی کو سمجھنے کیلئے اس کتاب کا مطالعہ اشد ضروری ہے۔
قیمت، ۹ روپے۔

ندوۃ المصنّفین۔ ۹۵۰/ این۔ سمن آباد۔ لاہور۔

حضرۃ مولانا محمد اجمل مدظلہ

مولانا قاری فیوض الرحمٰن ایم اے

ولادت ـــ آپ کی ولادت جنوری ۱۹۳۲ء میں "کالنجر" تحصیل ہری پور ہزارہ میں ہوئی۔

والد ماجد ـــ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا غلام ربّانی صاحب مرحوم ہیں

ابتدائی تعلیم ـــ ابتدائی تعلیم گھر پہ حاصل کی۔ پھر "دارالعلوم رحمانیہ" ہری پور ہزارہ میں داخلہ لیا اور

اعلیٰ تعلیم ـــ اسی دارالعلوم سے علومِ متداولہ میں فراغت حاصل کی۔ سکول کی تعلیم میٹرک تک ہے۔

تدریسی خدمات ـــ پھر اسی دارالعلوم رحمانیہ میں تین سال تک مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں۔

لاہور کو روانگی ـــ ۱۹۵۳ء میں "فاضلِ عربی" کا امتحان دینے کے لئے آپ لاہور تشریف لے گئے، کامیابی کے بعد مدرسہ رحیمیہ نیلا گنبد انارکلی لاہور میں بحیثیت مدرسِ ثالث آپ کا تقرر ہوا، تقریباً تین سال تک تدریسی خدمات انجام دیں، خرابیٔ صحت کی وجہ سے یہ سلسلہ منقطع کرنا پڑا۔ جب کچھ طبیعت سنبھلی تو مغلپورہ ہائی سکول لاہور میں بطورِ عربک ٹیچر تقرری ہوئی، یہ تدریسی سلسلہ تقریباً ۸ سال تک جاری رہا۔

جامع رحمانیہ کی بنا ـــ قلعہ گوجر سنگھ، عبدالکریم روڈ پر ایک جگہ جہاں قدِ آدم گڑھے تھے، وہاں اللہ کا نام لے کر آپ نے محنت شروع کی، وہیں مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا گیا اور تعمیر کا سلسلہ شروع کروایا آج اللہ کے فضل سے یہ "دینی یادگار" تین منزلوں پر مشتمل ہے۔

درسِ قرآن ـــ آپ نے عام مسلمانوں کی اصلاح اور دینی تربیّت کے لئے عمومی درسِ قرآن کا افتتاح کیا۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے علاقہ کے عوام کی حالت سدھر گئی اور وہ دیندار ہو گئے۔ یہ درس بعد از نماز فجر ہوتا ہے اور کئی بار درس میں قرآن پاک ختم ہو چکا ہے۔

خصوصی درسِ قرآن ـــ تعلیم یافتہ حضرات، دفاتر کے ملازموں، سکولوں اور کالجوں کے طلبہ

کے لئے بعد از نمازِ ظہر درسِ قرآن شروع کیا، ساتھ ہی عربی گرائمر بھی شروع کروائی، ترجمہ و تفسیر کے ساتھ کئی بار ختم قرآن کی سعادت آپ کو نصیب ہوئی۔ آج بحمد اللہ تعالیٰ دفاتر کے ملازم اور دیگر تعلیم یافتہ حضرات آپ کی تعلیم و تربیّت کے فیض سے خود پڑھا سکتے ہیں، نئی روشنی کے نوجوانوں نے آپ سے بہت استفادہ کیا ہے اور آج ان کے چہروں پر سنّتِ نبویؐ کی بہار آئی ہوئی ہے۔ آپکا اندازِ بیاں بڑا پیارا، دلچسپ اور مؤثر ہوتا ہے، آدمی خود بخود کھنچتا چلا جاتا ہے۔

جمعیتہ علمائے اسلام سے وابستگی ـــــ جمعیتہ علمائے اسلام کے ساتھ وابستگی حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحبؒ کے دورِ مبارک میں ہوئی، چنانچہ حضرت کی معیّت میں متعدد مقامات پر تقاریر کا موقع ملا، ملتان، کوٹ ادّو، مظفر گڑھ، جڑانوالہ، خان گڑھ، علی پور اور شکر گڑھ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی مدظلہ، نے "مغربی پاکستان کے ناظم" کی حیثیت سے کام سپرد فرمایا۔ آپ نے پورا کر دکھایا اور اب بھی برابر اسی جد و جہد میں لگے ہوئے ہیں۔

خطابت ـــــ آپ پاکستان کے بلند پایہ خطیب ہیں، پاکستان کا شاید ہی کوئی شہر ایسا ہو جس میں آپ کا خطاب نہ ہُوا ہو، جہاں پر ایک مرتبہ تشریف لے گئے پھر وہاں سے جان چھڑانا مشکل ہو گیا۔ سیرت کے جلسوں میں خصوصیت کے ساتھ آپ کو بلایا جاتا ہے۔ رات دن کی مسلسل تقاریر کی وجہ سے صحت بھی کافی متاثر ہوئی ہے لیکن پھر بھی جان نہیں چھوٹتی۔ ان جلسوں کی وجہ سے بھی عوام کی کافی اصلاح ہوتی ہے۔

مشرقی پاکستان میں ـــــ اکابرین جمعیتہ علمائے اسلام حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی، حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اور حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی مدّظلہم کی معیت میں تقریباً سات آٹھ بار مشرقی پاکستان تقاریر کے سلسلے میں جا چکے ہیں۔ ڈھاکہ، چاٹگام اور سلہٹ کے مقامات پر آپ نے لاکھوں کے اجتماعات سے خطاب کیا اور "مشرقی بھائیوں" کو بھی مغربی بھائیوں کی طرح اپنا گرویدہ بنا لیا۔

تصنیفی خدمات ـــــ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گوناگوں خوبیوں سے نوازا ہے۔ جہاں آپ ایک بہترین خطیب ہیں وہاں آپ اعلیٰ درجہ کے مضمون نگار اور مصنّف بھی ہیں۔ آپ کی کچھ تصنیفات منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ انہوں نے علمی حلقوں سے خراجِ تحسین اور داد حاصل کی ہے۔ ذیل میں آپ کی

تصانیف کا تفصیل سے تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ آدابُ القرآن —— یہ آپ کی پہلی تصنیف ہے، اس موضوع پر بڑی البیلی کتاب ہے۔
اس پر ماہنامہ "الحق" اکوڑہ خٹک ضلع پشاور کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیے:

"قرآن کریم کی عظمت اور اُس کی تلاوت، قراءت، کتابت، طباعت جملہ امور سے متعلق آداب اور احترام کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور آداب کے باریک سے باریک گوشوں کو نمایاں کیا گیا ہے، جس کی اس پُرفتن زمانہ میں بے حد ضرورت تھی، حق تعالٰے فاضلِ مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے آدابِ قرآن سے متعلق تمام ضروری اور اہم مسائل کو جمع فرمایا۔ کتاب کے ماٰخذ نہایت مقبول، معتمد اور وقیع کتُب تفاسیر و علومِ قرآن ہیں۔ ہمارے محترم مؤلف نے اسے نہایت سلیقہ اور حسنِ ترتیب سے یکجا کر کے بڑا کام کیا۔ حق تعالیٰ کتاب کو قبولیت سے نوازے۔"

۲۔ شرابِ خانہ خراب —— اسکے بارے میں ماہنامہ "انوارِ مدینہ" رجب ۹۲ھ کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

اس میں کیا شک ہے کہ یہ بلا خانہ خراب ہے۔ اس نے ہی پاکستان کو تباہ کیا اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو پاکستان کی شکست سے اقوامِ عالَم کے سامنے ذلیل و خوار کیا۔ اس کی خرابیاں واضح کرنے کے لئے خطیبِ پاکستان حضرت مولانا محمد اجمل صاحب مدّظلہم نے قلم اٹھایا اور ایک مختصر، مگر نہایت جامع و مفید رسالہ دلچسپ انداز میں تحریر فرمایا ہے جو پینتیس صفحات پر مشتمل ہے۔ کاغذ و طباعت اور کتابت نہایت عمدہ ہے، ناشر مکتبہ اشاعتِ اسلام جامع مسجد رحمانیہ قلعہ گوجر سنگھ عبدالکریم روڈ لاہور ہے۔"

۳۔ آدابِ دُعا —— دُعا کی افادیت، اہمیت اور آداب پر آپ کا لکھا ہوا یہ تحقیقی مقالہ ماہنامہ "انوارِ مدینہ" میں بالاقساط شائع ہو چکا ہے۔ پانچویں اور آخری قسط میں مضمون کے ساتھ یہ قیمتی ادارتی نوٹ بھی دیا گیا ہے۔ "حضرت مولانا محمد اجمل صاحب مدظلہ" کی ذاتِ گرامی محتاجِ تعارف نہیں ہے بہت سی دوسری خوبیوں سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ایک بہترین خطیب اور منجھے ہوئے مضمون نگار بھی ہیں۔ دُعا کی افادیت و اہمیت پر لکھا ہوا آپ کا یہ شاندار مضمون بہت پسند کیا گیا، بہت سے قارئین "انوارِ مدینہ" کی طرف سے حضرت مولانا کو تعریفی خطوط بھی

موصول ہوئے ہیں اور بعض احباب نے یہ فرمائش بھی کی ہے کہ اس اہم اور مدلل مضمون کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے، خود ہماری بھی خواہش ہے کہ اسے ضرور کتابی شکل میں طبع کرنا چاہیئے۔ امید ہے حضرت مولانا مدظلہٗ ہمارے اور اپنے دیگر احباب کے اس مطالبہ کو رد نہیں فرمائینگے "

(انوارِ مدینہ، ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ)

۴۔ آداب المساجد ـــــ یہ ابھی تک طبع نہیں ہوئی۔

۵۔ سورۃ فاتحہ ـــــ زیرِ طبع ہے۔

۶۔ لغات القرآن ـــــ پر آپ نے بہت محنت فرمائی، اور اللہ پاک نے ٹھکانے لگائی، اب یہ کتاب زیرِ طبع ہے۔ حضرات علماء کے لئے ایک بیش بہا نعمت ہے۔ اس کے مطالعہ کے بعد درسِ قرآن دینے والے علمائے کرام کو دقّت پیش نہیں آئے گی۔ یہ آپ کی ضخیم تصنیف ہے۔ عربی زبان میں ہے۔ اللہ قبول فرمائے۔ آمین۔

زمدحِ ناتمامِ ما جمالِ یار مستغنی است۔ بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا،

اور ـــــ وَاِنِّیْ اِنْ اَکْثَرْتُ فِیْ مَدَائِحِی

فَاَکْثَرُ مِمَّا قُلْتُ مَا اَنَا تَارِكٌ

اللہ تعالیٰ آپ کو تادیر سلامت رکھے اور بیش از بیش پُرخلوص دینی خدمات کی توفیق بخشے۔ آمین۔

"انوارِ مدینہ" میں

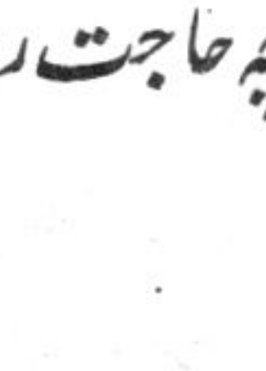

اشتہار

دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے۔